تین زنگ نورگے

درگا پرشاد شُکل

مترجمہ

جہاں آرا

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند

ویسٹ بلاک-1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

Tenzing Norge

By : Durga Prasad Shukal

© قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : جنوری۔مارچ 2003 شک 1924

پہلا اڈیشن : 1100

قیمت : =/21

سلسلۂ مطبوعات : 1070

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

طابع: آبھوتی پرنٹ ایڈس، جامع مسجد، دہلی 110006

پیش لفظ

حکومتِ ہند کی وزارت برائے فروغِ انسانی وسائل، ملک بھر کے بچوں کو ان کی مادری زبانوں کے ذریعے تعلیم دیے جانے کا ایک مکمل اور جامع طریقِ کار وضع کر کے اس پر عمل پیرا ہے۔ اس منصوبے کے تحت اردو زبان میں بھی ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجوں کے لیے نصابی کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ یہ کتابیں این. سی. ای. آر. ٹی. کی تیار کردہ ہیں۔ اردو میں ان کے ترجمے کا کام قومی اردو کونسل کی وساطت سے ہوا ہے۔

این. سی. ای. آر. ٹی. نے اسکول کی سطح کی سو سے زیادہ معاون درسی کتابیں بھی انگریزی اور ہندی میں چھاپی ہیں۔ قومی اردو کونسل نے فیصلہ کیا ہے کہ اردو طلبہ کی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان میں سے منتخب کتابوں کے اردو تراجم شائع کیے جائیں۔ پیشِ نظر کتاب اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب طلبہ کے لیے مددگار ثابت ہوگی اور اردو ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

ڈائرکٹر

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

نئی دہلی

پیش لفظ

اسکولی تعلیم کی تمام سطحوں کے لئے عمدہ تعلیمی، نصابی اور درسی کتابوں کو تیار کرنے کی سمت میں ہماری کونسل پچھلے پچیس برسوں سے کام کر رہی ہے۔ ہمارے کام کا اثر ہندوستان کی تمام ریاستوں اور مرکز کے تحت آنے والے علاقوں پر بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر پڑا ہے اور جسے دیکھ کر کونسل سے وابستہ حضرات یک گونہ اطمینان محسوس کر سکتے ہیں۔

مگر ہمارے علم میں یہ بات بھی آئی ہے کہ اچھی نصابی اور درسی کتابوں کے باوجود بھی ہمارے طلبا میں از خود مطالعہ کرنے کا شوق کچھ زیادہ پروان نہیں چڑھ پاتا۔ اس کی ایک خاص وجہ یقینی طور پر امتحان لینے کا وہ خراب نظام ہے کہ جس میں بس درسی کتابوں کے ذریعہ فراہم کردہ علم کا ہی امتحان لیا جاتا ہے۔ اسی سبب بہت کم اسکولوں میں کورس کے علاوہ کتابوں کا مطالعہ کرنے کی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ لیکن غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کا شوق اس وجہ سے بھی کم ہے کہ عمر کے مختلف زمروں سے تعلق رکھنے والے بچوں کے لئے کم قیمت پر عمدہ کتابیں دستیاب ہی نہیں ہیں۔ پچھلے چند برسوں میں اگرچہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کچھ کام کی شروعات ضرور ہوئی ہے مگر بہر حال وہ ناکافی ہے۔

اس مقصد کے تحت کونسل نے ایک امید افزا منصوبہ کی شروعات کی ہے۔ اس کے تحت "پڑھیں اور سیکھیں" کے عنوان سے کتابی سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس سلسلہ کے تحت آسان اور سلیس زبان میں عمر کے مختلف زمروں سے تعلق رکھنے والے بچوں کے لئے بڑی تعداد میں مختلف مضامین کی کتابیں تیار کی جائیں

گی۔ ہمیں امید ہے کہ 1989 تک ہم مندرجہ ذیل مضامین پر اردو میں کم از کم 100 کتابیں شائع کر لیں گے:۔۔۔۔۔

ا۔ ننھے منے بچوں کے لئے

ب۔ کہانی ادب

ج۔ حالات زندگی

د۔ ملکی و غیر ملکی معلومات

ہ۔ ثقافتی معلومات

و۔ سائنسی علوم

ز۔ سماجی علوم

ان کتابوں کی تیاری میں ہم مصنفوں، تجربہ کار اساتذہ اور قابل آرٹسٹوں کی مدد لے رہے ہیں۔ زبان، طرز تحریر اور مواد کے نقطۂ نظر سے مجموعی طور پر نظر ثانی کر کے کتابوں کو آخری شکل دی جائے گی۔

کونسل اس سلسلہ کی تمام کتابوں کو اسی قیمت پر شائع کر رہی ہے کہ جتنی ان پر لاگت آتی ہے تاکہ یہ کتابیں ملک کے کونے کونے تک پہونچ سکیں۔ مستقبل میں ان کتابوں کو ہندوستان کی دیگر زبانوں میں ترجمہ کرانے کا منصوبہ بھی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ تعلیمی، نصابی اور درسی کتابوں کے میدان میں کئے گئے کام کی طرح سے ہی کونسل کے اس منصوبہ کا بھی بڑے پیمانے پر خیر مقدم کیا جائے گا۔

اس کتاب کو لکھنے کے لئے جناب درگا پرساد شکل نے ہماری درخواست قبول فرمائی جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔ اس کتاب کی تیاری میں جن عالموں، اساتذہ اور آرٹسٹوں وغیرہ نے جس تعاون سے نوازا ہے اس کے لئے میں ان کا

متشکر رہوں۔

کونسل میں یہ منصوبہ پروفیسر انل وڈیالنکار کی رہنمائی میں جاری ہے۔ان کے معاونین میں محترمہ سینو کتالودرا،ڈاکٹر رام جنم شرما،ڈاکٹر سریش پانڈے،ڈاکٹر ہیرا لعل واچھوتیا اور ڈاکٹر انی رودھ رائے صاحبان بھرپور تعاون سے نواز رہے ہیں۔سائنس کی کتابوں کی اشاعت کی نگرانی ہمارے سائنس اور ریاضیات کے شعبہ سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر رام دلار شکل کر رہے ہیں۔اس منصوبہ کو جاری و ساری رکھنے میں خاص طور پر ڈاکٹر واچھوتیا سرگرم عمل رہے ہیں۔میں اپنے تمام ساتھیوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اس سلسلہ کی کتابوں کے ضمن میں ہم بچوں،اساتذہ اور بچوں کے والدین کا رد عمل جاننے کے لئے بے چین ہیں اور ہم اس کا استقبال کریں گے تاکہ ان کتابوں کو اور بھی کارآمد بنا سکیں۔

پی ایل ملہوترا

ڈائرکٹر

☆☆☆

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر
پیش لفظ	
چو مولُنگما: اس پر سے کوئی پرندہ بھی پرواز نہیں کر سکتا	11
سولو کھمبو: گاؤں دو ــــ نام ایک	13
تین زنگ یعنی "خوش نصیب دھرم پرست"	18
پہاڑوں کے لئے مہم ــــ شیرپاؤں کے لئے نیا کام	23
ماں کی ممتا: ایوریسٹ کی کشش	32
مخالف حالات	37
آخر موقع مل ہی گیا۔	44
ایک سفر ــــ جانا پہچانا	52
ایک سفر ــــ پاک سرزمین کا	61
ایوریسٹ کا ساتواں سفر	67
تحریک کا سرچشمہ	80
واپسی ــــ ماں کی نصیحت	82

چومولنگما: اس پر سے کوئی پرندہ بھی پرواز نہیں کر سکتا

دھوپ میں چمکتے اونچے اونچے پہاڑ۔ برف کی چادر لپیٹے۔ انھیں پہاڑوں کے درمیان ایک اور پہاڑ ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ آسمان چھو رہا ہو۔ کبھی بادلوں میں گھرتا تو کبھی دھوپ میں چم چما اٹھتا۔

وہ روز اسی پہاڑ کو دیکھتا ہے اور حیران رہ جاتا ہے۔ گاؤں والے اس پہاڑ کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ دل ہی دل میں اس کی پوجا کرتے ہیں۔ ایک دن وہ اپنی ماں سے پوچھتا ہے——"ماں! اس پہاڑ کا نام کیا ہے"؟

"بیٹا' وہ چومولنگما ہے۔ ساری دنیا کو پیدا کرنے والی 'دیوی۔ وہ پاک ہے۔ وہاں دیوتا رہتے ہیں۔ وہ بہت اونچا ہے۔ اتنا اونچا کہ کوئی پرندہ بھی اس پر سے ہو کر نہیں اڑ سکتا!"

مستقبل کو کوئی بھی نہیں جان پایا۔ اس نوجوان کو بھی اپنا مستقبل معلوم نہ تھا کہ ——ایک دن وہ اسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے گا۔ ساری دنیا میں اس کا نام ہو جائے گا۔ لوگ اس سے سبق لیں گے۔ کہیں گے ——اس نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔ سب سے اونچے پہاڑ پر چڑھنے والا وہ پہلا آدمی بنا۔

چومو——لُنگما

یعنی ماؤنٹ ایوریسٹ۔ اس پہاڑ کی چوٹی کو ساری دنیا اسی نام سے جانتی ہے۔ مگر کچھ لوگوں کے لئے یہ چومولنگما ہے۔ چومولنگما——یعنی تمام "دنیا کی تخلیق کرنے والی دیوی"۔ یہ لوگ اسی پہاڑ کے آس پاس رہتے ہیں۔ دنیا انھیں ایک نام سے ہی جانتی ہے۔ یہ نام ہے "شیرپا"۔ لوگ شیرپا کا مطلب "قلی" سمجھتے ہیں۔ شیرپا یعنی قلی، شیرپا یعنی گائڈ (رہنما)۔ پہاڑوں پر راستہ بتانے والا۔ مگر شیرپا کا یہ مطلب صحیح نہیں ہے۔ شیرپا ایک قوم کا نام ہے۔ ایک جماعت کا نام ہے۔ یہ لوگ مشرقی ہمالیہ کے اونچے حصوں میں رہتے ہیں۔

وہ نوجوان بھی ایک شیرپا ہی تھا۔ تب اس کا نام صرف اس کے گاؤں کے لوگ ہی جانتے تھے۔ مگر آج ؟ آج ساری دنیا اس کے نام کو جانتی ہے۔اس کا نام ایوریسٹ سے جڑا ہوا ہے۔ ایوریسٹ کا نام لیتے ہی اس کا نام بھی یاد آجاتا ہے۔اس کا نام ہے___ تین زِنگ نورگے___

تین زنگ نورگے

ایوریسٹ فتح کرنے والا۔

ایڈمنڈ ہلیری کے ساتھ ایوریسٹ پر چڑھنے والا دنیا کا پہلا آدمی۔

1953ء تک ایوریسٹ پر کوئی نہیں چڑھ پایا تھا۔ یوں تو لوگوں نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی تھی۔ کئی لوگ تو اسی کوشش میں اپنی جان بھی گنوا چکے تھے۔

ایوریسٹ ایک چنوتی بنا ہوا تھا۔ انسانی ہمت کے لئے ایک چیلنج۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایوریسٹ کو کوئی بھی فتح نہیں کر پائے گا۔ کوئی بھی اس پر چڑھ نہیں پائے گا۔ مگر انسان ایک بڑی خوبی ہے۔ وہ کبھی ہار نہیں مانتا۔ اسے ہر ناکامی سے ایک سبق ملتا ہے۔ وہ ناکامی کو کامیابی کی سیڑھی مانتا ہے۔ وہ اپنی غلطیاں تلاش کرتا ہے۔ وہ ہار نہیں مانتا اور ایک دن وہ کامیاب ہوتا ہے۔

تین زنگ نورگے نے بھی ایوریسٹ پر چڑھنے کی کئی بار کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ ناامید بھی نہیں ہوئے۔ کوششیں جاری رہیں۔ آخر کار وہ ایک دن اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئے۔

وہ ایک اہم دن ہے۔ یہ دن تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا___29، مئی 1953ء کا دن۔ اسی دن انسان نے ایوریسٹ کو فتح کیا۔

آج تین زنگ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر ان کی زندگی ہمیں ہمیشہ، پہاڑوں پر چڑھنے، مشکلات سے مقابلہ کرنے اور کبھی مایوس نہ ہونے کا سبق دیتی رہے گی۔

کیسی تھی تین زنگ نورگے کی زندگی؟ کیسا تھا ان کا بچپن؟

☆☆☆

سولو کھمبو: گاؤں دو ــــ نام ایک

نیپال ہمارا ایک پڑوسی ملک۔ ہمالیہ کی پہاڑیوں کے درمیان بسا ہوا۔ شمال مشرق نیپال میں کئی گاؤں ہیں۔ پہاڑوں کے درمیان بسے انھیں گاؤں میں دو گاؤں ہیں ـــ سولو، اور کھمبو۔ مگر لوگ ان کا نام ایک ساتھ لیتے ہیں۔ جیسے کہ وہ ایک ہی گاؤں ہوں۔ در اصل یہ دو ضلعوں کے نام ہیں، سولو ایک ضلع ہے اور کھمبو دوسرا۔ سولو جنوب میں ہے۔ کم اونچائی پر۔ کھمبو زیادہ اونچائی پر ہے۔ تین زنگ نور گے اسی کے رہنے والے تھے۔

ان کے بزرگ تبت کے رہنے والے تھے ۔ان کے بزرگ ہمالیہ کے درّوں سے ہو کر نیپال آئے تھے۔ وہ کھمبو میں ہی بس گئے ۔ کھمبو بہت اونچائی پر ہے۔ آسمان کو چھوتے ہوئے پہاڑوں کے قریب بہت کچھ تبت کی ہی طرح ۔ تین زنگ اور ان کے جیسے شیرپا اسی شمالی علاقہ میں آئے تھے۔ سولو، کھمبو سے دودھ کوسی بہتی ہے۔ دودھ کوسی یعنی دودھ کی ندی۔ یہ ندی کہاں سے آتی ہے؟

ایوریسٹ کے آس پاس برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ ہیں۔ دودھ کوسی اسی برفیلے علاقہ سے آتی ہے ۔ کئی دھاروں میں تقسیم ہو کر یہ ندی گہری وادیوں اور خطرناک کھڈوں سے گزرتی، آڑی ترچھی پگ ڈنڈیوں سے ہوتی، کہیں سپاٹ کہیں سیدھی بہتی ہوئی پہاڑوں سے نیچے اترتی دکھائی دیتی ہے۔ اس ندی پر کئی جھولتے پُل موجود ہیں۔ ان جھولتے ہوئے پلوں پر سے گزرنا اور سفر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہر ہر قدم پر خطروں کا سامنا ہوتا ہے ۔ کاٹھ مانڈو نیپال کی راجدھانی (دارالخلافہ) ہے۔ وہاں تک جانے کا یہی ایک راستہ ہے۔

تین زنگ اپنی سوانح حیات (زندگی کی کہانی) میں لکھتے ہیں ۔ ''میرا علاقہ

سخت اور پتھر یلا ہے۔ آب و ہوا شدید ہے۔ پھر بھی ہماری کھیتی ہے۔ چراگاہیں ہیں۔ آٹھ سے دس ہزار فٹ کی اونچائی پر گیہوں اگایا جاتا ہے۔ سولو میں گیہوں زیادہ ہوتا ہے۔ چودہ ہزار فٹ کی اونچائی پر آلو پیدا ہوتا ہے۔ جو بھی ہوتا ہے۔ آلو ہماری سب سے بڑی فصل ہے۔ آلو ہی ہمارا خاص کھانا ہے۔ کچھ زمین تو ایسی ہے کہ جس پر سب کا اختیار اور قبضہ ہے مگر کچھ زمین نجی بھی ہے۔ کئی خاندانوں کی زمین الگ الگ جگہوں پر ہے۔ بوائی اور کٹائی کے لئے وہ اوپر سے نیچے آتے ہیں۔ لوگ اپنے مویشیوں کے ساتھ سفر کرتے ہیں۔ ان مویشیوں میں بھیڑ، بکریاں اور یاک ہوتے ہیں۔ ان میں یاک کی بہت اہمیت ہے۔ ان سے ہمیں کپڑوں کے لئے اون، جوتوں کے لئے چمڑا، ایندھن کے لئے گوبر، پینے کو دودھ، مکھن اور پنیر ملتا ہے۔ تمام ہمالیائی لوگوں کی زندگی کا دارومدار یاک پر ہوتا ہے۔ اسے زندہ رہنے کے لئے یاک سے ہی ساری چیزیں مل جاتی ہیں۔

سولو کھمبو میں کوئی شہر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ قصبہ بھی نہیں ہے۔ کھمبو میں سب سے بڑا ایک گاؤں ہے جس کا نام نامچے بازار ہے۔ وادیوں میں کئی گاؤں بسے ہیں۔ ان کے نام ہیں:

کھم جنگ، پانڈا بوچے، دام دنگ، شاک سُم، شم بنگ اور تھامے۔ ان گاؤں میں مکان پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ چھتیں لکڑی کی ہوتی ہیں دروازے اور کھڑکیاں بھی لکڑی کی ہوتی ہیں۔ کھڑکیوں میں کانچ کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ زیادہ تر گھر دو منزلہ ہوتے ہیں۔ نچلی منزل میں مویشی رہتے ہیں۔ اسٹور ہوتا ہے۔ اندر ہی اندر سیڑھیاں ہوتی ہیں۔ ان سے اوپر کی منزل میں جانے کا راستہ ہوتا ہے۔ اوپری منزل میں لوگ رہتے ہیں۔

پیدائش: کب اور کہاں؟

سولو کھمبو میں ہی ایک گاؤں ہے ــــ تھامے۔ تین زنگ نورگے کا خاندان یہیں رہتا تھا۔ تھامے میں ہی تین زنگ پلے بڑھے۔ مگر ان کا جنم تھامے میں نہیں ہوا تھا۔ وہ تو "تساچو" نام کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ یہ مقام، مشہور پہاڑ، مکالو کے قریب ہے۔ یہاں سے ایوریسٹ کا فاصلہ ایک دن کے سفر پر ہے۔ تساچو کا مطلب ہے ــــ گرم پانی کا چشمہ۔ یہ ایک مقدس مقام ہے۔

کہانیوں میں تاریخ بھی چھپی ہوئی ہے۔ تساچو اور چانگ لا کے بارے میں بھی کئی کہانیاں مشہور ہیں۔ ایسی ہی ایک کہانی یہ بھی ہے:

پرانے زمانہ کی بات ہے۔ دو راجہ تھے۔ ایک کا نام ــــ گیالبو وانگ ــــ تھا اور دوسرے کا ــــ گیالبو کھنگ۔ دونوں میں کسی بات پر تکرار ہوگئی۔ جنگ چھڑ گئی یہ جنگ تساچو اور چانگ کے قریب ہوئی۔ اس جنگ میں گیالبو کھنگ کو فتح نصیب ہوئی۔ اس نے اپنے سرداروں اور سپاہیوں میں زمین تقسیم کی۔ ایک جنگجو کو چانگ لا کے قریب زمین ملی۔ اس سپاہی نے اپنے نام کے ساتھ چانگ لا لگا لیا۔ آج بھی کئی لوگوں کے نام کے ساتھ ان کے شہر کا نام جڑا ہوا رہتا ہے۔ اس سپاہی کی اولاد نے بھی یہی نام اپنا لیا۔ اسی خاندان میں تین زنگ نورگے پیدا ہوئے۔

تین زنگ کب پیدا ہوئے؟ یہ بتانا مشکل ہے۔ اس کی وجہ ہے۔ سولو کھمبو میں تبتی پنچانگ چلتا ہے۔ اسی سے وقت نکالا جاتا ہے۔ اس میں برسوں کے لئے کوئی عدد نہیں ہوتا۔ اس میں برسوں کے نام ہوتے ہیں۔ یہ نام جانوروں پرندوں کے نام پر ہوتے ہیں۔ جیسے اشوورش (گھوڑے کا سال) چیتاورش اور شبھ ورش (بیل کا سال) سرپ ورش (سانپ کا سال) پکشی ورش (پرند کا سال)۔ ایسے کل بارہ برس ہوتے ہیں۔ اس میں چھ برس نر ہیں اور چھ برس مادہ۔ جب ایک دور پورا ہو جاتا ہے تو دوسرا دور شروع ہو جاتا ہے۔ کئی برسوں تک تو تین زنگ کو اپنی عمر کا پتہ ہی نہیں تھا۔ بس

ایک بات ہی معلوم تھی۔وہ یہ کہ وہ "یو آ" سال میں پیدا ہوئے تھے۔یو آیعنی خرگوش ۔یہ دور چلتا رہتا ہے۔اسی لئے عیسوی سنہ کے ساتھ اس کا موازنہ (مقابلہ) مشکل ہے تین زنگ کے مطابق شاید ان کی پیدائش 1914ء میں ہوئی تھی۔

عیسوی سنہ بھلے ہی مشکل ہو مگر تین زنگ کو اپنے جنم کا موسم یاد تھا۔ان کی پیدائش مئی کے تیسرے یا چوتھے ہفتہ میں ہوئی تھی۔یہ وقت ان کے لئے ہمیشہ ہی مبارک رہا۔ان کی زندگی میں مئی کا تیسرا یا چوتھا ہفتہ ہمیشہ اہم رہا۔کیسے؟۔1952ء کی بات ہے مئی کا اخیر تھا۔اس برس بھی ایوریسٹ کو سر کرنے کے لئے ایک مہم پر لوگ گئے۔اس مہم میں مشہور کوہ پیما لیمبرٹ تھے۔ان کے ہمراہ تین زنگ بھی تھے۔28 مئی کی بات ہے کہ وہ لوگ ایوریسٹ پر تقریباً چڑھ ہی چکے تھے۔مگر چوٹی تک نہیں پہونچ پائے۔مگر پہلی مرتبہ انسان اتنی اونچائی تک پہونچ پایا تھا۔آخر کار انھیں لوٹنا پڑا۔مگر وہ مایوس نہیں ہوئے۔ایک امید تھی،ایک عزم تھا—— "ہم پھر آئیں گے"اور پھر ٹھیک ایک برس ایک دن بعد کی بات ہے۔وہ ہلیری کے ساتھ ایوریسٹ پر تھے۔29 مئی کا دن تاریخی دن تھا۔

ہر 29 مئی کو ایوریسٹ فتح کرنے کی سال گرہ منائی جاتی رہے گی۔اسی لئے تین زنگ نے 29 مئی کو ہی اپنا جنم دن تسلیم کر لیا۔

تین زنگ نورگے کی والدہ کا نام ہے ——کن جوم۔والد کا نام ——چانگ لامنگا۔ان کے تیرہ بچے ہوئے۔سات لڑکے،چھ لڑکیاں۔تین زنگ کا نمبر گیارھواں تھا۔

سولوکھمبو میں زندگی تکلیف دہ تھی۔تین زنگ نورگے کے مطابق "——وہاں موت ہمیشہ منڈلاتی رہتی تھی۔میرے بھائی بہنوں میں سے صرف چار باقی بچے۔ایک میں اور تین بہنیں"۔سولوکھمبو تک راستہ دشوار گزار ہے۔وہاں کے بہت کم لوگ میدانوں میں آتے ہیں۔وجہ یہ کہ راستہ خطرناک ہے۔مصیبتوں سے بھرا ہوا۔جو لوگ میدانوں میں آجاتے وہ بہت کم واپس لوٹتے۔میدانوں میں بس جاتے۔کاٹھمانڈو میں

رہنے لگتے یا پھر دارجلنگ چلے جاتے۔ تین زنگ کے ماں باپ نے کبھی باہر کی دنیا نہیں دیکھی۔زیادہ سے زیادہ وہ کاٹھ مانڈو تک گئے یا پھر تبت میں رونگ بک مٹھ میں گئے۔رونگ بک مٹھ میں تین زنگ کے ماموں بڑے لاما تھے۔بودھ مٹھوں میں پوجا۔۔۔پاٹ کرنے والوں کو لاما کہا جاتا ہے۔

☆☆☆

تین زنگ ۔ یعنی۔ ”خوش بخت دھرم پرست“

ہر ایک کا کچھ مطلب، کچھ معنیٰ ہوتے ہیں۔ کچھ نام تو دیوی دیوتاؤں کے نام پر رکھے جاتے ہیں کچھ خصوصیات یا اوصاف کے نام پر اپنے دیس میں نام رکھنے کا ایک رواج ہے۔ جب بچہ جنم لیتا ہے تو ماں باپ یا رشتہ دار پنڈت جی کے پاس جاتے ہیں۔ پنڈت جی پنچانگ دیکھ کر ستاروں کے مطابق نام رکھتے ہیں۔

تین زنگ کے ماں باپ بھی ــــــ لاما کے پاس گئے۔ پہلے وہ اپنے بچہ کو کسی اور نام سے پکارتے تھے۔ یہ نام تھا ــــــ نام گیال وانگڈی۔ وہ ایک روز نام گیال وانگڈی کو رونگ بک مٹھ لے گئے۔ وہاں ایک بزرگ لاما تھے۔ نام گیال وانگڈی کو ان کی زیارت کرائی گئی۔ بزرگ لاما نے متبرک کتابوں کو دیکھا پھر بتایا ”سولو کھمبو میں حال ہی میں ایک امیر شخص کا انتقال ہوا ہے۔ یہ بچہ اسی کا اوتار ہے۔ اسی لئے اسکا نام ضرور بدلا جانا چاہیئے۔

”اب آپ ہی بتائیں نیا نام“ والدین نے اصرار کیا۔

”بزرگ لامانے پھر متبرک کتابوں کو دیکھا۔ کچھ دیر غور کیا پھر بولے ”اس بچہ کا نام تین زنگ نورگے رکھا جائے“

پھر انھوں نے بچہ کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی بھی کی۔ انھوں نے فرمایا ”یہ بچہ دنیا بھر میں مشہور ہو جائے گا۔ بڑا آدمی بنے گا“۔ ماں باپ بہت خوش ہوئے۔ انھیں یہ بات ایک اور لامانے بتائی تھی۔ یہ لاما ”تس چومٹھ کے تھے“

تین زنگ کے معنیٰ ہیں ”دھرم پرست“ یعنی دھرم کو ماننے والا۔ اس کی حفاظت کرنے والا۔ اور نورگے کے معنیٰ ہیں ”امیر، خوش قسمت“

اس طرح تین زنگ نورگے کے معنی ہوئے ـــــ "دھرم پرست جو امیر بھی ہے اور خوش بخت بھی "۔یا "امیر خوش قسمت دھرم پرست "۔

یہ نام بے حد متبرک اور مبارک مانا جاتا ہے۔ رونگ بک کے ان بزرگ لاما کا نام بھی تین زنگ ہی تھا۔اس طرح انھیں نام گیال وانگڈی کو اپنا ہی نام دے دیا تھا۔

اپنے نئے نام کے متعلق تین زنگ نورگے لکھتے ہیں ـــــ "امیر، خوش بخت، دھرم پرست "نام اچھا تھا۔اسی لئے میرے والدین نے میرا نام بدل دیا۔انھیں امید تھی کہ اس سے بھلا ہی ہوگا۔

تین زنگ لاما بنتے بنتے رہ گئے

تین زنگ کی پرورش لاڈ پیار سے ہونے لگی۔ان کے والدین انھیں لاما بنانا چاہتے تھے۔ تین زنگ تھوڑے بڑے ہوئے تو انھیں ایک مٹھ میں بھیجا گیا۔ان کا سر منڈا دیا گیا۔انھیں بھکشوؤں (فقیروں) کا لباس پہنایا گیا۔اب وہ مٹھ میں ہی رہنے لگے۔

مٹھ میں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ جس نے تین زنگ کی زندگی کا رخ ہی موڑ دیا۔ ہوا یہ کہ ایک دن ایک لاما تین زنگ پر ناراض ہوگئے۔غصہ میں انھوں نے ایک لکڑی کا ڈنڈا اٹھایا اور تین زنگ کے منڈے ہوئے سر پر دے مارا۔ تین زنگ تکلیف سے بلبلا اٹھے۔اور سیدھے گھر کی طرف کو بھاگ اٹھے۔

انھوں نے والدین کو ساری بات بتائی اور کہا "اب میں مٹھ میں کبھی نہیں جاؤں گا "ان کے والدین رحم دل تھے۔وہ اپنے بچوں کو بے حد پیار کرتے تھے۔انھوں نے بیٹے کی بات مان لی۔

تین زنگ نے لکھا ہے کہ۔

"آج میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرے ماں باپ اگر میری بات نہ مانتے تو؟ تب کیا ہوتا؟ تب کیا مجھے لاما بن جانا چاہئے تھا؟ میں نہیں جانتا۔ کبھی کبھی دوستوں

سے اس واقعہ کا ذکر کرتا ہوں تو وہ ہنس کر کہتے ہیں "اوہ! تو سر پر پڑی چوٹ نے ہی تمہیں پہاڑوں کے پیچھے پاگل بنا دیا"۔؟

سولو۔ کھمبو میں تب کوئی اسکول بھی نہین تھا۔ آج کل تو ناچے بازار میں ایک اسکول ہے۔ چھوٹا سا اسکول۔اب وہاں کے بچے بھی پڑھنے لکھنے لگے ہیں۔ مگر اس وقت وہاں کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ مٹھ میں بھی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ صرف لاما ہی ایک زبان سیکھتے تھے۔ یہ شمالی بدھ مذھب کی قدیم تبتی زبان تھی۔ یہ بھی صرف زبانی ہی پڑھائی جاتی تھی۔

بودھ مٹھ سے بھاگ کر تین زنگ نے ایک موقع گنوادیا۔ یہ موقع تھا تعلیم حاصل کرنے کا۔ اب گھر آکر وہ اپنی عمر کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ گھر کے کام کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے ایک بڑے بھائی کی پیٹھ پر سوار ہو جایا کرتے اور اس کی سواری کیا کرتے تھے۔ ان کے گھر میں مویشیوں کا جھنڈ تھا۔ انھیں سردیوں میں گھر کی نچلی منزل میں باندھ دیا جاتا تھا۔ جب ان مویشیوں کو ٹھنڈ میں باہر نکالا جاتا تو ان سے عجیب سی بو آتی۔ سردیوں میں خاندان کے تمام لوگ اوپری منزل میں ٹھنسے رہتے تھے۔ ذرا سی بھی تو جگہ نہیں بچتی تھی۔ تب بڑا شور مچتا تھا۔ باورچی خانے سے دھواں اٹھا کرتا تھا۔ چاروں طرف ایک خوشبو رچی بسی رہتی تھی۔ مگر وہ سب خوش وخرم اور مطمئن زندگی گزارتے۔ وجہ یہ تھی کہ انھیں زندگی گزارنے کا دوسرا ڈھنگ معلوم نہیں تھا۔ وہ کھاتے پیتے، کھیلتے کودتے یا پھر گھر کا کام کاج کیا کرتے تھے۔ کچھ شیرپا بہت سخت ہوتے تھے۔ وہ بچوں کو مارتے پیٹتے یا ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے تھے۔ تین زنگ بتاتے ہیں کہ ان کے والد بالکل بھی سخت نہیں تھے اور وہ انھیں بہت چاہتے تھے۔ تین زنگ بھی اپنے باپ کو بہت پیار کرتے تھے ان کا ادب کرتے تھے۔ وہ اپنے والد کے بہت فرماں بردار تھے اور ان کی ہر بات مان لیا کرتے تھے۔ وہ ان کا کام کرنے اور خدمت کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔

تین زنگ کی ایک بڑی بہن تھی جس کا نام تھا ـــــ لہموکیپا۔ وہ بھی اپنے چھوٹے بھائی کو بہت چاہتی تھی۔ وہ یاک کا دودھ دوہتی تو تین زنگ اس کے پاس بیٹھ جاتے تھے، لہموکیپا انھیں یاک کا تازہ گرم گرم دودھ دیا کرتی تھی۔ تین زنگ کہتے کہ لہموکیپا میرے لئے ماں کی طرح تھی۔ بعد میں لہموکیپا بھکشونی بن گئی۔

تھیانگ بوچے کا بودھ مٹھ مشہور ہے۔ اسی مٹھ میں وہ ''اپے لا'' بنیں۔ اپے لا یعنی بودھ بھکشونی۔ وہ سات برسوں تک وہیں رہیں۔ ان کے لئے تین زنگ گھر سے کھانا لے جایا کرتے تھے۔ بچپن میں تین زنگ کی نظر ایوریسٹ پر پڑا کرتی تھی۔ بچپن میں انھوں نے ایوریسٹ کا نام تک نہیں سنا تھا۔ شمال کی سمت میں بہت سی پہاڑی چوٹیاں تھیں۔، انھیں کے درمیان ایک چوٹی آسمان میں اونچی اٹھی ہوئی تھی۔ اسے انھوں نے کئی بار دیکھا تھا مگر تب اس کا نام ایوریسٹ نہیں تھا۔ وہ چیو مولنگما تھا۔ چو مو لنگما یعنی دنیا کو پیدا کرنے والی دیوی۔ عام طور پر اس لفظ کے یہی معنی لئے جاتے تھے۔ مگر اس وقت وہ اس نام کے معنی بھی نہیں جانتے تھے۔ ان کے لئے تو اس کے ایک ہی معنی تھے۔ ان کے نزدیک وہ ایک ایسا پہاڑ تھا کہ جس کے اوپر سے پرندے بھی پرواز کرتے ہوئے نہیں گزر سکتے تھے۔ شیرپا مائیں اپنے بچوں کو یہی معنی بتایا کرتی تھیں۔ تین زنگ کی ماں نے بھی انھیں یہی نام بتایا تھا۔

بچپن ـــــ چھوٹی دنیا ـــــ بڑے خواب

اپنے بچپن کے بارے میں تین زنگ بتاتے ہیں ـــــ

''دوسرے بچوں کی طرح میری دنیا بھی بہت چھوٹی تھی۔ اس دنیا میں والد تھے، والدہ تھیں، بہن بھائی تھے، گھر تھا، گاؤں تھا، کھیت، چراگاہ اور یاک تھے۔ شمال میں عظیم پہاڑ تھے۔ مشرق و مغرب میں بھی اونچے اونچے پہاڑ موجود تھے۔ چوتھی سمت جنوب تھی۔ اس سمت میں دودھ کوسی تھی جو جنگلات میں غائب ہو جاتی تھی۔ اس سے پرے کیا تھا؟ میں نہیں جانتا تھا۔

"جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا۔ باہری دنیا کے بارے میں مجھے علم ہونے لگا۔ سب سے پہلے مجھے تبت کے بارے میں علم ہوا۔ پھر اس کے متبرک اور مبارک مقام لھاسا شہر کے بارے میں پتہ چلا۔ لھاسا کے بارے میں سب ہی لوگ باتیں کیا کرتے تھے۔ میرے والد، والدہ مذہبی تھے۔ وہ لھاسا کی زیارت کرنا چاہتے تھے۔ مگر یہ سفر لمبا بھی تھا اور خرچیلا بھی۔ اسی لئے وہ کبھی وہاں نہیں جا سکے۔

بچپن میں تین زنگ عادتاً شرمیلے تھے۔ وہ سب سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے۔ اور بچے تو ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ دوڑ کرتے ہوئے کھیلا کرتے وہ چپ چاپ بیٹھے رہا کرتے تھے۔ وہ دور دراز کے مقامات کا سفر کرنے کا تصور کیا کرتے تھے۔ اسی قسم کے خیالات میں کھوئے رہتے تھے۔ کبھی وہ تصور میں لھاسا کے کسی شخص کو خط لکھتے اور سوچتے کہ وہ ایک دن انھیں آکر لے جائے گا۔ کبھی وہ سوچتے کہ وہ فوج کے ایک بڑے سپہ سالار ہیں اور ایک بڑی فوج کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ کبھی کبھی وہ سفر کرنے کے لئے اپنے والد سے گھوڑا طلب کرتے۔ اور ان کے والد ہنس پڑا کرتے تھے۔ تین زنگ سفر کرنا چاہتے تھے۔ ان کا دل کرتا تھا کہ وہ گھومیں، پھریں، کہیں جائیں، کچھ دیکھیں کچھ حاصل کریں۔

تین زنگ لھاسا جانے کے خواب دیکھا کرتے۔ تب ان کا لڑکپن تھا۔ رفتہ رفتہ انھیں دیگر جگہوں کے بارے میں پتہ چلتا گیا۔ انھوں نے کاٹھ مانڈو کے بارے میں سنا، دارجلنگ کے بارے میں سنا۔ اب وہ ان مقامات کے بارے میں بھی سوچنے لگے۔

ان دنوں شیرپا کام کی تلاش میں سولو کھمبو سے نکل جایا کرتے تھے۔ وہ پہاڑوں اور جنگلات کو پار کرکے کاٹھ مانڈو پہونچ جایا کرتے تھے۔ کچھ باہمت شیرپا دارجلنگ تک پہونچ جاتے۔ وہاں وہ یا تو چائے کے باغات میں کام کرتے یا پھر رکشا چلاتے یا قلی کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ اپنے خاندان سے ملنے سولو کھمبو آتے تو باہر کی دنیا کے بارے میں انھیں بتاتے تھے۔

☆☆☆

پہاڑوں کے لیے مہم ـــ شیرپاؤں کے لئے نیا کام

پہلے شیرپا چائے کے باغات میں کام کیا کرتے تھے۔ دارجلنگ میں رکشا چلاتے یا مزدوری کرتے۔ جلد ہی انہیں ایک نیا کام مل گیا۔ یہ کام تھا پہاڑوں پر جانے کا ڈاکٹر کیلاس نام کے ایک کوہ پیا تھے۔ وہ ہمالیہ میں کھوج کرنا چاہتے تھے۔ انہیں یہ احساس ہوا کہ اس کام کی شیرپا ان کی مدد کرسکتے ہیں۔ انھوں نے شیرپاؤں کو ایک نیا کام دیا۔ پہاڑوں میں رہنمائی کرنے اور بوجھ اٹھانے کا۔

شیرپا تو ہمالیہ کے بیٹے تھے۔ ان کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں تھا۔ ڈاکٹر کیلاس کی انھوں نے کافی مدد کی۔ ان کے کام کی تعریف بھی ہوئی۔ اب تو جو کوہ پیما بھی ہمالیہ پر جاتا وہ اپنے ہمراہ شیرپا کو ضرور لے جاتا۔ ان میں ایک کوہ پیما "بروس" بھی تھے۔ وہ ہندوستان فوج میں تھے۔ شیرپاؤں نے ان کی بھی بڑی مدد کی۔

جلد ہی دارجلنگ کے شیرپا مشہور ہوگئے۔ وہ کوہ پیماؤں کی رہنمائی کرتے اور ان کا سامان اٹھاتے تھے۔ 1921ء اور 1924ء میں تین مشہور مہمات وجود میں آئیں۔ ان کی منزل مقصود تھا ایوریسٹ۔ دنیا کی سب سے اونچی پہاڑی چوٹی۔ ان مہمات میں دارجلنگ کے کئی شیرپا شامل ہوئے۔ سولوکھمبو سے بھی کئی شیرپا گئے۔

شیرپاؤں نے غیر ملکی کوہ پیماؤں کو ایک نیا نام بھی دے ڈالا تھا۔ یہ نام تھا ـــ چلن نانگا۔ یہ کوہ پیما بڑے بڑے جوتے پہنتے تھے ان کا لباس بھی خاص طرح کا ہوتا تھا۔ شیرپاؤں نے اپنی زندگی میں ایسے جوتے اور ایسا لباس کبھی دیکھا نہیں تھا۔

تین زنگ نے بھی غیر ملکی کوہ پیما دیکھے۔ ان کے جوتے اور ان کے کپڑے دیکھ کر ان کا دل بھی للچا گیا۔ ایک جوڑی جوتوں کے لئے انھوں نے پیسے بھی دیئے۔ مگر وہ جوتے بہت بڑے تھے۔ بھاری بھی بہت تھے۔ ان کو پہن کر وہ چل ہی

نہیں سکتے تھے۔ان دنوں اس ایک ہی نام کی دھوم تھی۔۔۔۔ایوریسٹ۔۔۔ایوریسٹ وہ سب ہمیشہ ایوریسٹ کی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ایک دن تین زنگ نے شیرپاؤں سے پوچھا۔۔۔۔"یہ ایوریسٹ کیا ہے"؟۔

"وہی چو مولنگما"۔انھوں نے جواب دیا۔ پھر آگے کہا۔

"ہم چو مو۔۔۔۔لنگما کے دوسری طرف ہیں۔"چلن ناگا(غیر ملکی کوہ پیما) کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ ہے"۔

چو مولنگما یعنی ایوریسٹ

اس کی بھی اپنی کہانی ہے۔

قدرت کا عجیب کرشمہ :سمندر کی جگہ پہاڑ

ہمالیہ۔۔۔کنرروں اور گندھروں کا علاقہ کالی داس ایک عظیم شاعر تھے۔انھوں نے ہمالیہ کو"ناگادھراج"کہا ہے یعنی پہاڑوں کا راجہ۔

بڑے تعجب کی بات ہے۔

آج جہاں ہمالیہ ہے وہاں پہلے کبھی سمندر ہوا کرتا تھا۔اس سمندر کا نام تھا ٹیتھس سمندر۔ہمالیہ کا جنم کب ہوا تھا؟

اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آج سے تقریباً پانچ یا چھ کروڑ برس پہلے ہمالیہ بنا ہوگا۔

زمین کا علم رکھنے والے یعنی ماہران ارض بتاتے ہیں کہ :

پرانے زمانہ میں زمین دو حصوں میں تقسیم تھی۔شمالی قطعہ ارض اور جنوبی قطعہ ارض۔شمالی حصہ کی زمین سے جو علاقے وجود میں آئے وہ تھے :شمالی براعظم یوریشیا اور جنوبی حصہ کی زمین سے جو علاقے وجود میں آئے وہ تھے:گونڈوانہ ،جنوبی ہند،افریقہ،آسٹریلیا۔ان دونوں زمینی قطعوں کے درمیان میں ہی ٹیتھس سمندر موجود تھا۔بحیرۂ روم اسی کا بچا کھچا حصہ ہے۔قدرت بھی کرشمے دکھاتی ہے۔اسی لئے جہاں

سمندر تھا وہاں پہاڑ بن گیا۔

ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ ڈھائی ہزار کلو میٹر لمبا ہے۔اس کا رقبہ پانچ لاکھ مربع کلو میٹر ہے۔

پرانے زمانہ میں اس پہاڑی سلسلہ کے کئی نام تھے۔ جیسے :امس،ہمس یا ہموڈ۔ سکندر کے ساتھ جو یونانی آئے تھے انھوں نے اسے "ہندی کاکیشس" کے نام سے پکارا۔ہمالیہ کو کئی حصوں میں بانٹا گیا ہے جیسے عظیم ہمالیہ، چھوٹا ہمالیہ اور بیرونی ہمالیہ۔

ہندوستان کے لئے ہمالیہ کی بڑی اہمیت ہے۔ شمالی ہند کی تعمیر میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔اسی کی وجہ سے آب وہوا پر بھی اثر پڑا ہے۔

اگر ہمالیہ نہ ہوتا تو؟

سندھ اور گنگا کا زرخیز میدان ایک زبردست ریگستان ہوتا۔ ہمالیہ کے سبب سے ہی شمالی ہندوستان میں بارشیں ہوتی ہیں۔گرمی کے دنوں میں جنوب۔ مغربی مانسونی ہوائیں چلتی ہیں۔ہمالیہ انھیں آگے نہیں بڑھنے دیتا۔روک دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بارش ہوتی ہے۔بارش کا پانی ندی بن کر بہہ پڑتا ہے۔یہ ندیاں اپنے ہمراہ زرخیز مٹی بھی لاتی ہیں۔ ہمالیہ ایک اور کام بھی کرتا ہے۔ سردیوں کے زمانہ میں شمالی قطب سے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں،ان کی وجہ سے وسطی ایشیا کا زیادہ تر حصہ جم جاتا ہے۔ ہمالیہ ان سرد ہواؤں کو ادھر ہی روک دیتا ہے۔

ہمالیہ کی کئی اونچی اونچی چوٹیاں۔ان میں سے ایک ایوریسٹ بھی ہے۔دنیا کی سب سے اونچی پہاڑی چوٹی۔اس کی موجودہ اونچائی 29,028 فٹ یعنی 8,848 میٹر ہے۔

اس چوٹی کو نیپال میں "سر گماتھا" کہتے ہیں۔اس چوٹی کا نام ایوریسٹ کیوں پڑا؟ 1841ء کی بات ہے۔

اس وقت بھارت میں سرویئر جنرل تھے سر جارج ایوریسٹ۔انھوں نے ہی

سب سے پہلے اس چوٹی کا سروے کیا تھا۔ اسی لئے اس چوٹی کو ان کے نام سے موسوم کیا گیا۔

ایوریسٹ 1953ء تک فتح نہ کیا جا سکا۔ سب سے پہلے 1922ء میں ایوریسٹ پر چڑھائی کی گئی اس کے بعد 1924، 1933، 1935، 1936، 1937، 1938، 1951 اور 1952 میں کوشش کی گئی آخر کار 1953 میں ایوریسٹ فتح کر ہی لیا۔

کیوں چڑھتے ہو چوٹی پر؟

کیپٹن میلوری!

ایک عالمی شہرت یافتہ کوہ پیما۔ انھوں نے اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ ایوریسٹ پر چڑھنے کی کوشش کی تھی۔ ساتھی کا نام تھا اروِن۔ ان کے ساتھ کوئی شیرپا نہیں تھا۔ ان کے پاس خاص قسم کے آلات بھی نہیں تھے۔ مگر ان کے پاس ایک بہت بڑی چیز تھی یہ تھی زبردست جوش، مستقل مزاجی اور کبھی ہار نہ ماننے کا عہد۔

کیا میلوری اور اروِن چوٹی تک پہونچ گئے تھے؟ یہ ایک معمہ ہی بنا ہوا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ میلوری اور اروِن کبھی لوٹ کر نہیں آپائے۔ ان کی لاشوں تک کا پتہ نہ چلا۔ انھیں میلوری سے کسی نے پوچھا تھا

"آپ کیوں چڑھتے ہیں چوٹی پر؟

"کیونکہ وہ سامنے ہے" میلوری کا جواب تھا۔ کیا مطلب ہے اس جواب کا؟ یہی کہ چوٹی چیلنج دیتی ہے۔ للکارتی ہے۔ اور باہمت آدمی کبھی للکار سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ وہ آگے بڑھ کر اسے قبول کرتے ہیں۔ میلوری اور اروِن نے بھی یہ چیلنج قبول کیا تھا۔

آج ایوریسٹ پر انسان پہونچ چکا ہے۔ تین زنگ اور ہلیری کے بعد کئی لوگ ایوریسٹ تک پہونچے۔ ان میں امریکہ، جاپان اور کئی اور ملکوں کے لوگ ہیں۔ کئی ہندوستانی بھی ایوریسٹ تک پہونچے ہیں۔ ان میں سے ایک ہیں میجر پال سنگھ

آہولوالیہ۔ ان کی ایک کتاب ہے۔ ''آسماں اور بھی ہیں''۔ اس میں ان کے ایورسیٹ کے سفر کی یادداشت درج ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''میں سمجھتا ہوں کہ چوٹی پر چڑھ پانا کامیابی کا ایک معمولی حصہ ہے۔ کامیابی سے بھی زیادہ تکمیل یا اطمینان کی بات تو یہ ہے اور جو اس لیے پیاری ہے کہ وہ اپنے ماحول پر فتح پا سکا ہے اور اس سے اوپر اٹھ سکا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ انسان سدا ہمت والے کام کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور اپنی جان جوکھم میں ڈالنا اور نا معلوم کو معلوم کرنا اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ چوٹی پر چڑھنا جسمانی تجربہ ہی نہیں ہے بلکہ اس سے جذباتی طور پر بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ یہ ایک روحانی تجربہ ہے۔

سچ مچ جان جوکھم میں ڈالنا انسان کی فطرت ہے۔ نامعلوم کو معلوم کرنا اس کی عادت ہے۔ اس لیے تو انسان اتنی ترقی کر پایا ہے۔ کہاں قدیم آدمی! کہاں خلا تک پہونچنے والا انسان! انسان کو جان جوکھم میں ڈالنے اور نامعلوم کو معلوم کرنے کا تجسس نہ ہوتا تو کیا وہ اتنی ترقی کر سکتا تھا؟ شاید نہیں۔ تب ہو سکتا تھا کہ وہ آج بھی غاروں میں ہی رہا کرتا۔ مگر انسان کی عادت ایسی نہیں ہے۔ وہ سدا مصیبتوں سے کھیلتا اور چنوتیاں قبول کرتا ہے۔ اسی تجسس کی بدولت اسے بہت سے قدرتی راز معلوم ہو گئے۔ سورج، چاند اور سیاروں کی حرکت کرنے کا پتہ لگا پایا۔ اسی تجسس کی بنا پر وہ چاند کی دھرتی تک پہونچ پایا ہے۔

اس میں انسان نے خطرے بھی بہت اٹھائے ہیں۔ نہ جانے کتنے لوگوں کی جانیں گئی ہیں۔ مگر کیا مرنے کے ڈر سے انسان پیچھے ہٹا ہے؟ نہیں۔ پیچھے ہٹنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں۔ ایوریسٹ کی چوٹی سر کرنے کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے اپنی جان سے ہاتھ دھوئے ہیں۔ میلوری اور اروِن کو بھی اپنی جان گنوانی پڑی۔ مگر کیا لوگوں نے ہمت ہاری؟ نہیں۔ بلکہ انہیں یہ محسوس ہوا کہ ایوریسٹ پر چڑھنا تو اب

اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔

1922ء میں کوہ پیماؤں کی ایک ٹیم وہاں گئی تھی۔ راہ میں تیرتے ہوئے برف کے انبار آ گئے تھے۔ اس میں سات شیرپاؤں کی جان چلی گئی۔ سولو کھمبو میں غم کے بادل چھاگئے۔ ہر طرف غم ہی غم تھا۔ مگر دو برس بعد کوہ پیماؤں کی ایک ٹیم پھر آن موجود ہوئی۔ ان کے ساتھ بھی شیرپا گئے۔ اسی برس 1924ء میں میلوری اور اروِن لا پتہ ہوئے۔ وہ ہمالیہ میں جیسے کہیں کھو گئے ہوں۔

شیرپا لوٹے تو انھوں نے گاؤں والوں کو ان کے بارے میں بتایا۔ تین زنگ نورگے نے بھی ان کا نام سنا۔ وہ جذباتی ہو اٹھے۔ شروع شروع میں کوہ پیماؤں کی ٹیم کے ہمراہ تین زنگ کے خاندان سے کوئی نہیں گیا پر ایسی کوہ پیماؤں کے ہمراہ جانے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔ کچھ بھی دینے کو تیار تھے۔ مگر اس وقت وہ بہت چھوٹے تھے۔ اس طرح بچپن میں ہی تین زنگ کے دل میں ایک خواہش جاگ اٹھی تھی۔ یہ خواہش تھی پہاڑوں پر چڑھنے اور ان کی چوٹیاں سر کرنے کی۔ ایوریسٹ کی انتہائی بلندی تک پہونچنے کی مگر اس وقت وہ اتنے چھوٹے تھے کہ پہاڑوں پر جانے اور چوٹیوں تک پہونچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اب اتنے چھوٹے بچہ کو اپنے ہمراہ کون لے جاتا؟

اس باعث، تین زنگ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ گھر میں کوئی نہ کوئی اور کچھ نہ کچھ کام نکل ہی آتا تھا۔ ان کے کھیتوں میں آلو کے علاوہ جَو بھی پیدا کیا جاتا تھا۔ بھیڑوں اور یاکوں کی دیکھ بھال کرنے کا کام بھی تھا۔ بھیڑ اور یاک بہت فائدہ مند مویشی تھے۔ ان سے انھیں دودھ، مکھن اور اون ملتا تھا۔

نیپال میں مویشیوں کو کاٹنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بودھ لوگ بھی مویشیوں کو نہیں مارتے تھے۔ اسی لیے یاک بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ مگر وہاں یاک کا خون نکالا جاتا تھا۔ وہ بہت طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ خون نکالنے سے یاک کو بھی

فائدہ ہوتا تھا۔ کیسے ؟ دلچسپ بات ہے۔ تمام گرمیوں کے موسم میں یاک خوب پیٹ بھر کر کھایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے جسم میں خون بہت بڑھ جایا کرتا تھا۔ اس سے وہ اور بھی طاقتور ہو جاتے تھے۔ طاقتور ہو جانے کے سبب وہ آپس میں لڑا کرتے تھے۔ ادھر ادھر بلا وجہ بھاگ دوڑ کیا کرتے تھے۔ خون نکال لیے جانے کے بعد وہ پر سکون ہو جاتے تھے۔

تین زنگ بتاتے تھے کہ شروع شروع میں ان کا خاندان بہت غریب تھا۔ مگر انھیں خوش بخت سمجھا جاتا تھا۔ خاندان کے لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے جنم کے لینے کے بعد ان کے دن پھر گئے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ جس برس تین زنگ پیدا ہوئے اسی سال سو ننھے یاک بھی پیدا ہوئے۔ اس کے بعد توان کے گھر کبھی کبھی تین تین سو چار چار سو یاک ہو جایا کرتے تھے۔

اسی طرح تین زنگ کا بچپن یاکوں کے درمیان گزرا۔ انھیں یاکوں کے ہمراہ پہاڑوں پر جانا اچھا لگتا تھا۔ وہ یاکوں کے ساتھ اٹھارہ ہزار فٹ کی اونچائی تک چلے جاتے۔ اس اونچائی تک یاکوں کو گھاس مل جاتی ہے۔ مگر یہ مقامات خطرناک مانے جاتے ہیں۔ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہاں برفیلے انسان پائے جاتے ہیں۔ وہ انھیں "یے تی" کہتے ہیں۔ تین زنگ نے بھی ان کے بارے میں سنا تھا۔ لاما اکثر یے تیوں کی کہانیاں سنایا کرتے ہیں۔ وہ دوسرے خطرناک جانوروں کی بھی کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ یہ جانور دیوؤں سے بھی زیادہ خطرناک تھے۔ یے تی سے بھی ہیبت ناک تھے۔ تین زنگ بھی ان تمام کہانیوں کو سنتے مگر وہ خود اپنی آنکھوں سے ان تمام چیزوں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ کئی لوگ ان کے ملاقے کے بھی تھے۔ اس کام میں کئی لوگ اپنی جان بھی گنوا چکے تھے۔ مگر کچھ لوگ زندہ بھی واپس آتے تھے۔ تین زنگ بڑے ہوئے تو انھیں سولو کھمبو چھوٹا لگنے لگا۔ وہ سوچتے دنیا کتنی مختصر ہے۔ اور سولو کھمبو کتنا چھوٹا ہے۔ ان کے دل میں اکثر خیال آتا تھا کہ سولو کھمبو سے

باہر نکلنا چاہیے۔ باہر کی دنیا دیکھنی چاہیے۔ آخر کار وہ ایک دن کاٹھ مانڈو کے لیے چل پڑے۔ اس وقت ان کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔

جدوجہد کی سیپ: کامیابی کے موتی

ایودھیا پرشاد سنگھ ہری اُودھ ہندی کے ایک مشہور شاعر ہیں۔ ان کی نظم "ایک بوند" ہے۔ اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

ایک بوند تھی۔ وہ بادلوں کا گھر چھوڑ کر آسمان سے نکل پڑی۔ نکل تو پڑی مگر سوچنے لگی۔۔۔ میرا کیا ہوگا۔۔۔ کہاں جاؤں گی۔۔۔ کہاں گروں گی۔۔۔ کھیت میں یا کسی تپتے ہوئے ریگستان میں۔ بوند گھبرائی۔ لیکن ایک حادثہ رونما ہوا۔ وہ بوند ایک کھلی سیپ کے منہ میں جاگری اور پھر وہ ایک خوبصورت موتی بن گئی۔

کیا مطلب ہے اس نظم کا؟ یہی کہ گھر چھوڑنے میں گھبرانا نہیں چاہیے۔ دنیا کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ جدوجہد کی سیپ ہمیں موتی بنا دیتی ہے۔ کامیابی کے موتی۔ تین زنگ نورگے نے بھی جدوجہد کی۔ وہ صرف تیرہ سال کے تھے۔ ماں باپ اور بہن کے لاڈلے۔ تین زنگ بھی انھیں بہت چاہتے تھے اور انھیں تکلیف پہونچانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر ان کی بے چین طبیعت باہر کی دنیا دیکھنا چاہتی تھی۔ تین زنگ نوجوان تھے اور اس بات سے بھی واقف تھے کہ ان کے والدین انھیں جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس لیے وہ ایک دن خاموشی سے گھر سے نکل گئے۔ انھیں پیدل ہی سفر کرنا تھا۔ کوئی بس یا ریل گاڑی نہیں تھی۔ ان کا کوئی ساتھی بھی نہیں تھا۔ مگر جہاں چاہ۔۔۔ وہاں راہ۔ پہاڑی راستہ، چکر دار خطرناک، کہیں ندی کہیں نالے۔ مگر تین زنگ چلتے رہے۔ کافی دور تک وہ تنہا چلے پھر انھیں راستہ میں کچھ ہم سفر مل گئے۔ دو ہفتہ بعد وہ کاٹھ مانڈو میں تھے۔ کاٹھ مانڈو: نیپال کی راجدھانی۔ سڑکوں پر بھیڑ"۔ طرح طرح کی پوشاک پہنے لوگ۔ تین زنگ حیرت زدہ رہ گئے۔ انھوں نے اتنی بھیڑ اور ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہاں کوئی ان کا آشنا نہ تھا۔ کہاں

ٹھہرتے؟ مگر وہ زرا بھی نہ گھبرائے۔ انھوں نے ایک بودھ مٹھ کا پتہ لگایا۔ وہاں اجنبی لوگوں کی مدد کی جاتی تھی۔ ان کا خیال رکھا جاتا تھا۔ وہ اسی مٹھ میں ٹھہر گئے۔

دو ہفتہ تک وہ کاٹھ مانڈو کی سڑکوں پر گھومتے رہے۔ انھوں نے بازار دیکھے بڑے بڑے مٹھ دیکھے۔ مندر دیکھے۔ مگر وہ اپنے والدین کو نہ بھول سکے۔ ہر وقت سوچتے رہتے کہ نہ جانے وہ لوگ کیسے ہوں گے۔ انھیں گھر کی یاد ستانے لگی۔ ایک دن ان کی ملاقات کچھ لوگوں سے ہوئی۔ وہ سولو کھمبو کے تھے۔ گھر واپس لوٹ رہے تھے۔ تین زنگ بھی ان کے ہمراہ ہو لیے۔ کچھ دن بعد وہ گھر پہونچے۔ بیٹے کو دیکھ کر ماں باپ بے حد خوش ہوئے۔ انھیں گلے لگایا۔ مگر ڈانٹ بھی لگائی۔ کیوں گئے تھے۔ گھر چھوڑ کر۔

اس کے بعد پانچ سال تک تین زنگ گھر پر ہی رہے۔ مگر وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ کبھی سولو کھمبو میں نہیں رہ سکتے۔ وہ زندگی بھر کسان بن کر نہیں رہ سکیں گے۔ وہ مویشیوں کے چرانے کا کام نہیں کر سکیں گے۔ دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ تین زنگ بھی بڑے ہوتے گئے۔

اب وہ اٹھارہ برس کے ایک نوجوان تھے۔ باہر کی دنیا میں جا سکتے تھے۔ اب ان میں خطرات کا مقابلہ کرنے کی طاقت اور ہمت تھی۔ تین زنگ ایک دن پھر گھر سے نکل پڑے۔ اس مرتبہ ان کی منزل کاٹھ مانڈو نہیں بلکہ دارجلنگ تھی۔

☆☆☆

ماں کی ممتا ایوریسٹ کی کشش

دارجلنگ جہاں چائے کے باغات تھے، جہاں شیرپا تھے۔ شیرپا جو کہ قلی کا کام کرتے تھے۔ پہاڑوں پر چڑھتے تھے۔

دارجلنگ جانے کی ایک خاص وجہ تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ پہاڑوں پر ایک مہماتی ٹیم جانے والی ہے۔ تین زنگ بھی اسی ٹیم میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ مگر دارجلنگ جانے میں کئی دشواریاں تھیں۔ سب سے بڑا مسئلہ تو والدین سے اجازت حاصل کرنا تھا۔ تین زنگ بخوبی جانتے تھے کہ وہ لوگ کبھی بھی جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ پھر کیا کیا جائے۔ تین زنگ اسی کشمکش میں مبتلا تھے۔ آخر کار انھوں نے ایک فیصلہ کیا اور وہ بغیر اجازت ایک بار پھر سفر پر چل دیے۔

اپنے اس فیصلہ پر انھیں تھوڑا افسوس بھی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ والدین کی دل آزاری نہ ہو۔ کیونکہ وہ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ماں باپ سیدھے سادے، سادہ اور پاکیزہ زندگی گزارنے والے تھے۔ خاص کر ان کی والدہ تو بہت رحم دل خاتون تھیں۔ انھوں نے زندگی بھر سادگی میں گزاری تھی۔ انھوں نے کبھی اچھے کپڑے نہیں پہنے۔ نہ کبھی اچھا کھانا کھایا۔ جب بھی ایسا موقع آتا وہ دونوں چیزیں منھوں کے لاماؤں کو دے آتیں۔ بھکشوؤں کو بھینٹ کر دیتیں۔ تین زنگ اپنی ماں کی بہت عزّت کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میری کامیابی میں میری ماں کا یقین، ان کی عبادت اور ان کی دعاؤں کا بڑا ہاتھ ہے۔ ایسی ماں کو چھوڑنا بڑا مشکل تھا۔ ایک طرف ماں کی محبت اور دوسری جانب ایوریسٹ کی کشمکش۔ آخر کار ایوریسٹ کی جیت ہوئی۔ گھر سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے باقاعدہ تیاری کرنی تھی، منصوبہ بنانا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے اور چپ چاپ۔ گاؤں چھوڑنے والے اکیلے تین زنگ ہی نہیں تھے۔ ان کے

ساتھ گیارہ لوگ اور تھے۔ ان میں لڑکیاں بھی تھیں اور لڑکے بھی۔ یہ تمام لوگ ایک ماہ تک خفیہ میٹنگیں کرتے رہے۔ راستہ کے لیے کھانے کا سامان اور دوسری ضروری چیزیں جمع کرتے رہے۔ تین زنگ اپنے ساتھ صرف کمبل لاپائے۔ پیسے تو تھے ہی نہیں اوروں کا بھی ان کے جیسا ہی حال تھا۔ پھر بھی ان کے دل میں ایک امنگ تھی ایک جوش تھا۔ ایک دن بارہ لوگوں کا قافلہ گاؤں سے خاموشی سے نکل پڑا۔

تین زنگ کا ایک مشہور شیرپا دوست داوا تھونڈوپ تھا، وہ کبھی دارجلنگ نہیں گیا تھا۔ مگر اس کے بارے میں اسے کافی معلومات تھی۔ اسی نے تین زنگ کو بتایا کہ ایوریسٹ پر ایک مہم بھیجی جانے والی ہے۔ اس میں ہم سب کو کام ضرور مل جائے گا۔ اسی لیے سب پرامید تھے۔

کہتے ہیں کہ چار برتن پاس پاس رکھے ہوں تو وہ کھڑ کھڑاتے ہی ہیں۔ اسی طرح چار آدمی ایک جگہ موجود ہوں تو اختلاف بھی ہوتے ہیں، تین زنگ کی پارٹی کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ بارہ لوگ، بارہ دماغ۔ ہر شخص کی اپنی ڈفلی اپنا راگ۔ پھر یہ کہ راستہ مشکل۔ کہیں چڑھائی کہیں ڈھلان، کہیں وادیاں گنگناتے چشمیں اور لہراتی ندیاں۔

کہتے ہیں مصیبت کے وقت سمجھ دار لوگ متحد ہو جاتے ہیں۔ تین زنگ کی پارٹی کے لوگ بھی متحد رہے۔ مگر صرف ایک حد تک۔ جہاں تک خطرے رہے اور راستہ دشوار رہا وہ لوگ بھی ایک رہے۔ بھارت، نیپال کی سرحد پر پہونچتے ہی گڑبڑ شروع ہو گئی۔ کسی بات پر ان بن ہوئی تو پارٹی کے لوگ تین زنگ کو اکیلا چھوڑ کر چلتے بنے۔

تین زنگ پریشان ہوگئے۔ نئی جگہ، ایک بھی پیسہ پاس نہیں۔ کیا کریں، کہاں جائیں؟ پتہ چلا کہ قریب ہی ایک قصبہ ہے جس کا نام سمانا ہے۔ تین زنگ اسی سمت چل پڑے۔ وہاں رنگانا ما نام کا ایک امیر شخص رہتا تھا۔ قسمت کی بات کہ تین زنگ کی اسی سے ملاقات ہو گئی۔ تین زنگ کو صرف اپنی زبان ہی آتی تھی۔ وہ نیپالی تو نہیں جانتے تھے۔ مگر رنگانا ما تھوڑی بہت شیرپا بولی جانتا تھا۔ انھیں بے سہارا

سمجھ کر وہ انھیں اپنے گھر لے گیا۔ اس کے گھر کے باقی لوگ بھی بھلے ہی تھے، یہ لوگ رحم دل تھے۔ انھوں نے تین زنگ کے ٹھہرنے کا انتظام کر دیا۔ انھیں کھانا کھلایا اور پہننے کو نیپالی کپڑے دیے۔ بدلے میں تین زنگ ان کا کام کر دیا کرتے تھے۔ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ جنگل سے جلانے کے لیے لکڑیاں لے آتے۔ جنگل میں وہ اکیلے ہوتے۔ انھیں اپنے ماں باپ کی یاد آتی۔ اپنی حالت پر ترس آتا۔ کبھی کبھی وہ پیڑ کے نیچے بیٹھ کر رونے بھی لگتے۔

انھیں دنوں انھوں نے یہ بات جان لی کہ خواب اور حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ سمانا کی زندگی سے تین زنگ اکتا گئے۔ انھوں نے ایک دن رنگا ناما سے کہا "میں دارجلنگ جانا چاہتا ہوں" رنگا بڑے دل کا آدمی تھا۔ بولا "ٹھیک ہے۔ میں تجارت کے سلسلہ میں وہاں جا رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ چلے چلو"

اور ایک دن تین زنگ دارجلنگ کے لیے چل پڑے۔ مگر یہ سفر مصیبت اور پریشانیوں سے بھرا ہوا نہیں تھا۔ تین زنگ ایک کار میں سفر کر رہے تھے۔ تین زنگ نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی کار نہیں دیکھی تھی۔ بیٹھنا تو بہت دور کی بات تھی۔ کار دیکھ کر انھیں بہت تعجب ہوا اور بیٹھ کر تو خوشی کا ٹھکانا ہی نہیں رہا۔ پہاڑی سڑک پر کار دوڑنے لگی۔ تین زنگ طرح طرح کے تصورات میں گم ہو گئے۔ وہ نئے نئے خواب دیکھنے لگے۔ آخر وہ دارجلنگ پہونچ گئے۔

دارجلنگ نئے موقعے، نئی کشش

دارجلنگ ہی تو منزل تھی ان کی۔ یہاں کے لیے ہی تو وہ سولو کھمبو سے روانہ ہوئے تھے۔ تین زنگ کو لگا کہ دارجلنگ، کاٹھ مانڈو کی طرح بڑا نہیں ہے۔ مگر کئی اور باتوں میں وہ کاٹھ مانڈو سے بڑا تھا۔ وہاں تین زنگ نے پہلی بار طرح طرح کی نئی چیزیں دیکھیں۔ ریل گاڑی، انجن اور بہت سارے چلنگا نگا یعنی غیر ملکی۔

رنگاناما تین زنگ کو بہت چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ نئے شہر میں یہ نوجوان کہاں رہے گا۔ وہ انھیں آلوباری لے گیا۔ آلو باری دارجلنگ کے پاس ایک گاؤں ہے۔ وہاں آلو کی کاشت ہوتی ہے۔ آلو باری میں رنگاناما کا چچازاد بھائی رہتا تھا۔ اسی گھر میں رنگاناما نے تین زنگ کے ٹھہرنے کا انتظام کر دیا۔ پوری انھیں دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اس کے پاس پندرہ گائیں تھیں اس نے تین زنگ سے کہا "تم ان گایوں کی دیکھ بھال کرو، گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاؤ اور آرام سے یہاں رہو۔

تین زنگ پوری کے گھر رہنے لگے۔ وہ گایوں کی دیکھ بھال کرتے۔ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ دھیرے دھیرے انھوں نے نیپالی سیکھ لی۔ نیپالی کے علاوہ وہاں کی ایک اور بولی بھی تھی۔ اس کا نام تھا ملمو۔ تین زنگ نے اسے بھی سیکھ لیا۔ یہیں تین زنگ کی ملاقات ایک گھسیارے سے ہوئی۔ اس کا نام من بہادر تمنگ تھا۔ وہ من بہادر کو اپنا گرو مانتے تھے۔ وہ ان کی گایوں کے لیے گھاس کاٹ کر لاتا تھا اور انھیں دنیا داری کی باتیں بتاتا تھا۔

پوری تین زنگ کو دارجلنگ بھی بھیجا کرتا تھا۔ اس وقت ان کا کام وہاں دودھ بیچنا تھا۔ دارجلنگ کے لیے تین زنگ بہت بے چین رہا کرتے تھے۔

کیوں؟

کیونکہ وہاں سے انھیں ہمالیہ کی مشرقی پہاڑیوں کے سلسلے نظر آتے تھے۔ ان میں چھوٹی بڑی بہت سی پہاڑیاں تھیں۔ ان پہاڑیوں کو دیکھ کر انھیں بہت اچھا لگتا تھا۔ اس پہاڑ کا نام تھا کنچن جنگا۔ اس کی دھوپ میں چمکتی ہوئی چوٹی ان کی ہمت بندھاتی تھی۔ انھیں لگتا کہ وہ ہمالیہ سے دور نہیں ہیں۔ اس ہمالیہ سے جسے وہ بے حد پیار کرتے ہیں۔

دارجلنگ میں اور بھی جاذبیت تھی۔ خوبصورت مکانات، چہل پہل والے چائے گھر، سینما گھر، محل، قلعہ نما ہوٹل، دودھ بیچنے کے ساتھ ساتھ وہ ان چیزوں کو بھی دیکھا کرتے تھے۔

لیکن دارجلنگ میں اس سے بھی زیادہ ایک اور جاذبیت تھی۔

مخالف حالات

1933ء کا سال تھا۔

ایوریسٹ پر پھر چڑھائی کی جانے والی تھی۔

انگلینڈ سے کوہ پیما آپہونچے تھے۔ پورے شہر میں ہلچل تھی۔ دارجلنگ میں ایک کلب تھا جس کا نام پلانٹرس کلب تھا۔ اس میں مہماتی ٹیم کے لیڈر بیٹھا کرتے تھے۔ ان کا نام تھا ہیورٹلیز۔ ان سے ملنے بہت سے لوگ جایا کرتے تھے۔ شیرپا بھی ان سے ملا کرتے تھے۔ تین زنگ سوچتے "مجھے بھی صاحب سے ملنا چاہیے"۔

تب دودھ بیچنے کی بات ان کے ذہن سے بالکل نکل گئی۔ وہ ہر وقت یہی سوچتے رہتے ـــ مجھے جانا چاہیے ـــ صاحب سے ملنا چاہیے۔ پہلے پلانٹرس کلب جانے میں وہ ڈرتے تھے۔ انھوں نے داوا تھونڈوپ سے مدد لینی چاہی۔ وہ ان کا دوست تھا۔ اسے صاحب نے ملازم رکھ لیا تھا۔ اس لیے انھوں نے تھونڈوپ سے بات کی "میرے بارے میں صاحب سے بات کرو"

"نہیں تم ابھی بہت چھوٹے ہو" داوا تھونڈوپ نے کہا۔

تین زنگ کو اپنی تمام امیدوں پر پانی پھرتا نظر آیا۔ انھوں نے ایک اور کوشش کی۔ اس سے کہا "میں کسی بھی بالغ آدمی کی طرح طاقتور ہوں" مگر داوا تھونڈوپ اپنی بات پر ہی اڑا رہا۔ پھر تین زنگ نے دیگر شیرپاؤں سے بھی کہا مگر وہ سب کے سب یہی کہتے رہے "تم ابھی چھوٹے ہو۔ تم ابھی ـــ"

ان سب باتوں سے تین زنگ کچھ ناامید تو ضرور ہوئے مگر انھوں نے ہار نہیں مانی۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ خود بات کریں گے۔ مگر اس وقت حالات مخالف تھے۔ صاحب لوگوں نے انھیں شیرپا ہی نہیں سمجھا۔ وہ تو انھیں نیپالی سمجھ بیٹھے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تین زنگ کے بال کٹے ہوئے تھے۔ جب وہ سولو کھمبو سے آئے تھے تو ان کے بال لمبی لمبی چوٹیوں کی شکل میں موجود تھے۔ یہاں لوگوں نے ان کا

مزاق بنانا شروع کر دیا۔ وہ ان سے کہا کرتے کہ "تم تو لڑکی ہو"۔ تین زنگ پریشان ہو گئے اور پھر انھوں نے سوچا کہ انھیں اپنے بال چھوٹے کرا لینے چاہئیں۔ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔اس لیے انھوں نے بال چھوٹے کٹوادیے۔ایک اور گڑبڑ ہوئی۔ تین زنگ کے کپڑے بھی شیرپاؤں جیسے نہیں تھے۔ رنگانامانے انھیں نیپالی کپڑے پہننے کو دیے تھے۔ اور وہ انھیں کپڑوں کو پہنا کرتے تھے۔ انھیں باتوں کی وجہ سے وہ نیپالی نظر آتے تھے۔ تین زنگ کے پاس کسی مہم پر جانے والی پارٹی کا دیا ہوا کوئی سرٹیفکیٹ بھی نہیں تھا۔

کام ڈھونڈنے کے لیے نکلنے والے نوجوانوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں "کیا تم نے پہلے کام کیا ہے "جواب ملتا ہے "نہیں "اس پر وہ کہتے ہیں "ہمیں تو صرف تجربہ کار آدمی ہی چاہئے"۔ایک عجیب بات یہ ہے کہ کام کرنے کا موقع ملے بغیر تجربہ کہاں سے حاصل ہو جائے گا۔

تین زنگ کے پاس کوئی تجربہ نہیں تھا۔ انھیں کام بھی نہیں ملا۔ ایک دن یہ پارٹی دارجیلنگ سے روانہ ہو گئی۔ تین زنگ افسردہ دل سے انھیں جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ انھیں بہت صدمہ ہوا مگر پھر انھوں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ کام میں دل لگایا۔ وہ پوری کی گایوں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ دودھ بیچتے رہے۔ یہیں ان کی ملاقات ایک لڑکی سے ہوئی، تین زنگ اور اس کے درمیان بھاؤ تاؤ پر روز تکرار ہوتی تھی۔ اس لڑکی کا نام انگ لہمو تھا۔ بعد میں تین زنگ نے اسی سے شادی کر لی۔

دن گزرتے چلے گئے اور تین زنگ کو دارجلنگ میں رہتے رہتے ایک سال ہو گیا۔

ایک بار پھر سولو کھمبو کی طرف

اسی دوران سولو کھمبو سے کچھ لوگ دارجلنگ آئے۔ انھوں نے تین زنگ کو دیکھا۔ بڑا تعجب ہوا۔ سولو کھمبو میں تو یہ خبر اڑ چکی تھی کہ وہ اب اس دنیا میں ہی نہیں رہے ۔انھوں نے تین زنگ کو ان کے ماں باپ کے بارے میں بتایا کہ وہ ان کی وجہ سے بے حد غم زدہ رہتے ہیں کیونکہ انھیں تو یہ خبر ملی تھی کہ تین زنگ دنیا میں رہے ہی نہیں۔

تین زنگ اداس ہو گئے اور گھر کی یاد نے انھیں بے چین کر دیا۔ انھوں نے گھر لوٹنے اور ماں باپ سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

تین زنگ نے پوری سے اپنی خواہش بتائی۔ وہ بولا" ٹھیک ہے۔ جاؤ مگر اپنی جگہ کوئی آدمی رکھ جاؤ"

اب تین زنگ کسی آدمی کی تلاش میں شہر میں نکلے۔ والدین سے ملنا ضروری تھا۔ کسی نہ کسی طرح انھوں نے ایک آدمی تلاش کر ہی لیا۔ اسے اپنی جگہ رکھا اور فوراً ہی نکل پڑے۔ انھیں یہ ڈر تھا کہ کہیں پوری یا اس شخص کا ذہن نہ بدل جائے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر ان کا جانا مشکل ہو جائے گا۔ ایک بار پھر سفر شروع ہو گیا۔ دار جلنگ سے کاٹھ مانڈو۔ وہاں سے سولو کھمبو۔ وہی پہاڑی راستے۔ وہی خطرناک گھاٹیاں۔ پھر ایک دن وہ اپنے گاؤں پہونچ ہی گئے۔

مگر یہ کیا؟

تین زنگ کے والدین انھیں مردہ سمجھ کر (ان کی روح کو ثواب پہونچانے کی خاطر) پوجا پاٹ کر رہے تھے۔

انھوں نے بیٹے کو دیکھا۔

پہلے تو آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ پھر وہ رونے لگے۔ اتنے دنوں بعد بیٹا گھر واپس آیا تھا۔ وہ بیٹا کہ جسے وہ مرا ہوا سمجھ چکے تھے۔ وہ بہت دیر تک روتے رہے۔ آخر ان کے آنسو تھمے اور وہ خوش ہو گئے۔ اس مرتبہ انھوں نے بیٹے کو ڈانٹا ڈپٹا نہیں کیونکہ اب ان کا بیٹا بڑا ہو گیا تھا۔

تین زنگ نے گاؤں والوں کی خیریت معلوم کی۔ اپنی کہانی سنائی۔ انھیں پتہ چلا کہ سولو کھمبو میں زلزلہ آیا تھا۔ گاؤں کے کئی گھر گر گئے تھے۔ تین زنگ کے گھر کا ایک حصہ بھی ڈھے گیا تھا۔ سب سے پہلے انھوں نے اسے پھر تعمیر کرنے میں مدد دی۔ پھر گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگے کھیتی باڑی، یاکوں کی دیکھ بھال۔۔۔

گرمیاں شروع ہو گئی تھیں۔ سفر کے لیے اچھا موسم تھا۔ ایک دن تین زنگ کے والد نے ان سے کہا" بیٹے تبت جا کر نمک لے آؤ" سولو کھمبو میں نمک کی ہمیشہ کی

رہتی تھی۔اسے تبت سے لایا جاتا تھا۔ایک دن تین زنگ تبت کے لیے چل دیے۔

تبت کا سفر آسان نہیں تھا۔وہی خطرناک راستے وہی پہاڑی سلسلہ اس راہ میں بھی موجود تھا۔انھوں نے درۂ نانگدا پار کیا۔تبت میں "لا" کا مطلب ہوتا ہے "درّہ"۔وہ سفر کرتے ہوئے ایوریسٹ کے دوسری جانب جا پہونچے ،وہاں "رونگ بک" نام کی ایک جگہ ہے۔وہاں ایک مشہور بودھ مٹھ ہے۔یہ تھیانگ بوچے مٹھ سے بہت بڑا ہے۔اس وقت وہاں پانچ سو بودھ بھکشو اور بھکشنیاں رہا کرتی تھیں۔

رونگ بک کی ایک اہمیت اور تھی۔ایوریسٹ پر جانے والی تمام مہماتی پارٹیاں وہیں اپنا ڈیرا ڈالا کرتی تھیں۔

تین زنگ تبت پہونچے۔وہاں سے نمک لے کر گھر لوٹے۔دن اسی طرح گزرتے رہے۔جلد ی ہی تین زنگ پھر اکتا گئے ۔سوچنے لگے کیا کریں،کہاں جائیں ؟اسی دوران ایک دن والد کا حکم ہوا،تبت جا کر پھر نمک لاؤ۔

تین زنگ نے سوچا کیا زندگی اسی طرح بیتے گی ؟کیا اسے ایسے ہی گزارنی چاہئے ؟نہیں باہر کی دنیا میں پھر جانا چاہئے۔ان کی نظر چومولنگمو پر پڑی۔چومولنگما دنیا کی خالق دیوی،جس پر سے کوئی پرندہ تک نہیں گزر سکتا۔

انھوں نے سوچا کہ مجھے تو چومولنگما تک پہونچنا ہے اور سولوکھمبو میں رہ کر وہاں پہنچنا مشکل ہے۔پھر کیا کیا جائے ؟دارجلنگ چلنا چاہئے۔وہیں موقع ملے گا۔اور پھر ایک دن تین زنگ دارجلنگ کے لیے چل پڑے۔جاتا تھا۔تبت،پہونچ گئے دارجلنگ۔

شیرپاؤں میں غم بھی،فخر بھی

دارجلنگ میں دو بستیاں تھیں۔ایک کا نام تھا تونگ سونگ بستی اور دوسری تھی بھٹیا بستی۔دارجلنگ پہونچ کر تین زنگ تونگ سونگ بستی میں پہونچ گئے۔

وہاں ایک تجربہ کار شیرپا کو وہ پیار رہا کرتے تھے۔نام تھا "انگ نشتوے"۔تین زنگ انھیں کے گھر کرایہ دار کی حیثیت سے رہنے لگے۔داوا تھونڈوپ قریب میں ہی رہتے تھے۔وہ تین زنگ کے دوست تھے۔اور بھی شیرپا رہا کرتے تھے۔وہ سب کے

سب کوہ پیما تھے۔ ایوریسٹ مہم میں شامل ہو چکے تھے۔ دیگر پہاڑی چوٹیوں پر بھی چڑھ چکے تھے۔

ان دنوں تونگ سونگ بستی کا کچھ عجیب ساماحول تھا۔ غم کے بادل بھی چھائے ہوئے تھے اور لوگ فخر بھی کیا کرتے تھے۔

غم کس بات کا تھا؟

ہوا یہ تھا کہ ایک جرمن مہماتی پارٹی ننگا پربت گئی تھی۔ یہ پہاڑی چوٹی کشمیر میں ہے۔ اس مہم میں کئی شیرپا شریک تھے۔ اس مہماتی ٹیم کے ساتھ ایک زبردست حادثہ ہو گیا۔ چڑھتے وقت ایک بھیانک طوفان آیا اس میں چار جرمن کوہ پیما مارے گئے۔ چھ شیرپاؤں کی جانیں بھی گئیں۔ اس لئے بستی میں غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

مگر فخر کس بات پر تھا؟

فخر کی بھی ایک وجہ تھی۔ پہلی بار شیرپا اپنے گھر سے اتنی دور گئے تھے۔ یہ ہمت کی ہی تو بات تھی۔

دادا تھونڈوپ اور انگ تسیرنگ اس مہم کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ وہ تین زنگ کو ایک باہمت شیرپا کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ اس شیرپا کا نام گیالی تھا۔ گیالی اس ٹیم کے لیڈر کا نام ولی مرکل تھا وہ دونوں چوٹی تک تو پہونچ گئے مگر لوٹتے وقت آفت آگئی۔ مرکل بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ایک قدم بھی نہیں چل سکتے تھے۔

گیالی ٹھیک تھا اور اگر وہ چاہتا تو اکیلا واپس لوٹ سکتا تھا۔ مگر کیا وہ واپس لوٹا؟ نہیں۔ اسے اپنے لیڈر کو بے سہارا چھوڑنا اچھا نہیں لگا۔ اس نے اپنی پوری کوشش کی۔ وہ چاہتا تھا کہ انھیں کسی طرح بھی کسی محفوظ مقام تک پہونچادے۔ مگر مرکل بے حد تھک گئے تھے۔ ان میں طاقت تھی ہی نہیں اور وہ وہیں انتقال کر گئے۔ گیالی بھی نہیں لوٹا۔

گیالی کی کہانی بہت دلچسپ تھی۔ ہمت سے بھرپور۔ فرض کی ادائیگی کا سبق دینے والی۔ تین زنگ، گیالی کی شہادت کی کہانی سنتے۔ انھیں فخر ہوتا کہ وہ بھی

ایک شیرپا ہیں۔ وہ مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے۔

سولو کھمبو کی طرح دار جلنگ میں بھی زلزلہ آیا۔ کئی گھر ڈھے گئے۔ ان کی مرمت کا کام جاری تھا۔ دار جلنگ میں سینٹ پال اسکول ہے۔ اس کی عمارت بھی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اس کی بھی مرمت کی جارہی تھی، کئی دیگر شیرپاؤں کی طرح تین زنگ بھی وہاں مزدوری کیا کرتے تھے۔ اس وقت انھیں روزانہ بارہ آنہ (یعنی پچھتر پیسے) مزدوری ملتی تھی۔ ان دنوں یہی مزدوری ملا کرتی تھی۔

تین زنگ بتایا کرتے تھے۔۔۔ "آج یہ مزدوری بہت کم لگتی ہے مگر ان دنوں یہ اچھی خاصی سمجھی جاتی تھی۔ شیرپا جب پہاڑوں پر نہ جاتے تو مزدوری کیا کرتے تھے۔ ان دنوں تھوڑے سے دکاندار اور تاجر ہی امیر تھے۔ باقی ہم تمام شیرپا بے حد غریب تھے۔ ہم سب لکڑی کے کھوکھوں میں رہا کرتے تھے۔ ان کھوکھوں کی چھت ٹین کی ہوتی تھی۔ اکثر پورا خاندان ایک ہی کھوکھے میں رہتا تھا۔ چاول اور آلو ہمارا خاص کھانا تھا۔ ہم سب بہت کام کرتے مگر پھر بھی ہماری آمدنی بہت کم تھی۔ مگر ہم پر خدا کی ایک عنایت بھی تھی کہ ہماری ضرورتیں بھی بہت کم تھیں۔ ہم تھوڑے سے ہی اپنا کام چلا لیتے تھے اور ہمیں کوئی شکایت نہ تھی۔ ہم صابر تھے۔ تین زنگ کافی بڑے ہو گئے تھے۔ ان کے دوستوں نے مشورہ دیا "شادی کر لو" تین زنگ بھی اکیلے رہتے رہتے تنگ آ گئے تھے اس لیے انھوں نے بھی ہامی بھر لی۔ اتفاق کی بات ہے کہ بستی میں سولو کھمبو کی ایک لڑکی رہتی تھی۔ اس کا نام تھا داوا پھٹی، پھٹی کے معنی ہیں "بچوں کو جنم دینے والی"۔

اور ایک دن داوا پھٹی سے تین زنگ کی شادی ہو گئی۔ انھوں نے اسے سولو کھمبو میں بھی دیکھا تھا۔ یہ شادی دار جلنگ میں ہوئی۔ اب تین زنگ بھی خاندان والے ہو گئے۔ انھوں نے تونگ سونگ بستی میں ہی ایک گھر کرایہ پر لے لیا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اسی میں رہنے لگے۔

صبر سے انتظار

تین زنگ مزدوری کرتے اور جو بھی آمدنی ہوتی اس سے گھر چلاتے۔ مگر وہ چو مولنگما کو کبھی نہ بھلا سکے۔ انھیں مناسب موقع کی تلاش تھی۔ انھوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ صبر ہی ان کا خاص منتر تھا۔ صبر ۔۔۔ صبر ۔۔۔ صبر کی بہت اہمیت ہے۔ شاعروں نے بھی صبر کے بڑے گن گائے ہیں۔ ایک مشہور شاعر کہتے ہیں۔ "صبر رکھیں تو اتریں پار"۔ یعنی اگر صبر رکھیں تو مصیبت کے دریا سے پار اتر جاتے ہیں ۔ ایک اور کہاوت بھی ہے کہ "صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے"۔ غرض تین زنگ نے بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ ان کا یقین تھا کہ ایک دن موقع ضرور ملے گا اور پھر انھیں ایک دن موقع مل ہی گیا۔

☆☆☆

آخر موقع مل ہی گیا

1935ء کی بات ہے۔ دارجلنگ میں ایک خبر گرم تھی۔ ایک مہم پہاڑوں پر جانے والی تھی۔ اس کے لیڈر تھے۔ ایرک شپٹن اس ٹیم کا مقصد چوٹی تک چڑھنا نہیں تھا۔ اس کا مقصد تھا۔۔۔ صرف کھوج بین کرنا۔ اس کے کئی فائدے تھے۔ کوہ پیماؤں کو امید تھی کہ شاید ایوریسٹ کے لیے کوئی نیا راستہ مل جائے۔ وہ اس مرتبہ تبت کی طرف سے جانا چاہتے تھے۔ وہاں نارتھ کول ایک جگہ ہے۔ انھیں امید تھی کہ شاید وہیں سے راستہ مل جائے۔

یوں بھی اس مرتبہ پہاڑ پر چڑھنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ چڑھائی کے دوران مانسون آجاتا۔ اندھڑ چلتے۔ بارش ہوتی۔ برف دھنستی۔ طرح طرح کی مصیبتیں آتیں۔ شاید کچھ لوگوں کی جان بھی چلی جاتی۔ اس لیے اس پارٹی کا مقصد صرف کھوج بین کرنا ہی تھا۔

مہماتی ٹیم کے لیڈر شپٹن قابل شیرپاؤں کی تلاش میں تھے۔ دارجلنگ میں ایک ہمالین کلب بھی تھا۔ اس کے سیکریٹری تھے۔ ڈبلیو۔ کِڈ۔ وہ بھی شپٹن کی مدد کر رہے تھے۔ وہ تجربہ کار شیرپا چاہتے تھے اور ایسے شیرپاؤں کی کوئی کمی نہیں تھی ان سب کا انتخاب ایک شیرپا سردار کی سفارش پر ہوا تھا۔ سردار کا نام تھا۔ کرماپال وہ ایک تاجر تھا۔ تین زنگ اسے نہیں جانتا تھا۔ تین زنگ کے پاس تجربہ کا کوئی سرٹیفکیٹ بھی نہیں تھا۔ اس لیے ان کا انتخاب بھی نہ ہو سکا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ مایوسی کا شکار ہو گئے۔ اب کیا کیا جائے؟

تب ہی معلوم ہوا کہ دو لوگوں کی اور ضرورت ہے۔ جگہ دو لوگوں کی اور امیدوار پہونچے ہیں۔ تین زنگ بھی وہیں خاکی بُش جیلیٹ اور پینٹ پہن کر لائن میں کھڑے ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اس لباس میں وہ ایک تجربہ کار شیرپا لگیں گے۔

شپٹن اور کِڈ نے ایک ایک امیدوار کی خوب جانچ پڑتال کی۔ تین زنگ کا نمبر آیا تو ان کی بھی جانچ پرکھ کی گئی۔ تجربہ کا سرٹیفکیٹ مانگا گیا۔ وہ ان کے

پاس نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور پریشانی بھی تھی کہ تین زنگ کو انگریزی بھی نہیں آتی تھی۔ وہ دلائل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ وہ کہنا چاہتے تھے کہ نئے لوگوں کو اگر کام نہیں ملے گا تو وہ تجربہ کیسے حاصل کریں گے۔ وہ خاموش تھے۔ زبان کا مسئلہ آڑے آرہا تھا مگر انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ اشارے سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوگئے۔ شپٹن اور کڈ نے آپس میں کچھ صلاح و مشورہ کیا اور تین زنگ کو لائن سے باہر آنے کو کہا۔ تین زنگ مایوس ہوگئے۔ وہ سمجھے کہ شاید ان کا انتخاب نہیں ہو سکا ہے۔ تھکے ہارے وہ جانے لگے تب ہی کڈ نے انھیں بلایا، اشارے سے بتایا کہ وہ منتخب کر لیے گئے ہیں۔ تین زنگ کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا مگر دوسرے شیرپا ناراض ہوگئے۔ یہ کیا؟ ایک نئے شیرپا کو چنا گیا ہے۔ اس کے پاس تو کوئی تجربہ بھی نہیں۔ مگر تین زنگ نے ان کی ناراضگی کا کچھ برا نہیں مانا۔ ان کے لفظوں میں۔ "میں اتنا خوش تھا کہ اگر وہ لوگ مل کر مجھے مارتے بھی تو میں برا نہ مانتا"۔

مہماتی ٹیم کے مزدوروں کی اجرت طے ہوگئی۔ بارہ آنے یومیہ۔ برفیلے علاقہ میں مزید چار آنے (25 پیسے) اور بڑھ جاتے۔ تین زنگ کو لگا کہ اچھا کام کر کے اور زیادہ پیسے کما سکیں گے۔ یہ ممکن تھا۔ مگر وہ اتنا اہم نہ ہوتا۔ اہم بات یہ تھی کہ اس کا خواب حقیقت بننے جا رہا تھا۔ وہ ایک کوہ پیما بننے جا رہے تھے۔ تین زنگ نے اپنی بیوی سے رخصت لی۔

ایوریسٹ کے لیے ایک نئے راستہ کی کھوج

ایک دن یہ ٹیم اپنی مہم پر روانہ ہوگئی۔ ان کا رخ سکم کی جانب تھا۔ پہاڑی راستے۔ کبھی چڑھائی کبھی اترائی۔ گہری گھاٹیاں۔ اونچے درّے۔ تین سو میل کا سفر کر کے وہ تبت پہونچے۔ اس راستہ سے ایک فائدہ تھا۔ سارا اسامان خچروں پر بہ آسانی لے جایا جاسکتا تھا۔ ٹیم دھیرے دھیرے سفر کرتی رہی۔ ایک دن وہ رونگ بک پہونچے۔ ابھی انھوں نے ایوریسٹ کا رخ نہیں کیا بلکہ اس کے آس پاس کی کئی ایک چوٹیوں پر پہونچے۔ درّے پار کیے۔ انھیں ایوریسٹ تک پہونچنے کے لیے کسی اچھے

راستہ کی تلاش تھی مگر نار تھ کول سے بہتر کوئی راستہ نہیں تھا۔ آخر کار وہ مشرقی رونگ بک گلیشئر کی جانب بڑھے۔ وہاں اس مہماتی ٹیم نے اپنا کیمپ لگایا۔

پہاڑوں پر خبریں تیزی سے پھیلتی ہیں۔ اس کی وجہ شیرپا ہیں شیرپا انھیں پہاڑیوں کے باشندے ہوتے ہیں۔ ان کے خاندان کے افراد دار جلنگ تو آ نہیں سکتے۔ وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی ٹیم آئے۔ بچھڑے ہوئے لوگوں سے ملاقات ہو۔ اس کے لئے وہ لوگوں سے پوچھتے رہتے ہیں۔

اس مہم کی خبریں بھی تیزی سے پھیل گئی۔ تین زنگ کے والد کو بھی پتہ چلا وہ بیٹے سے ملنے ڈیرے پر آئے۔ اس کے لیئے انھیں کافی سفر کرنا پڑا۔ وہ سولو کھمبو سے نانگ پالا گئے۔ وہاں سے ڈیرے تک پہونچے۔

والد سے مل کر تین زنگ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے والد کو بتایا ہم چو مولنگما کی طرف جائیں گے۔ ایک دن اس مہماتی ٹیم کے لوگ گلیشیر پہونچ گئے۔ وہاں زندگی کا نام و نشان نہ تھا۔ ان کے ٹھیک سامنے آسمان کی طرف بھی۔ دو تین اونچی چٹانیں تھیں اور برف کی مینار تھی۔ تین زنگ کو گھر کی یاد آگئی۔ سوچا کتنی عجیب بات ہے۔ ان کا گھر یہاں سے کچھ میل دور ہی تو ہے۔ اسی پہاڑ کے سایے میں ان کا بچپن بیتا ہے۔ یہیں انھوں نے اپنے باپ کے یاکوں کی دیکھ بھال کی ہے۔ مگر پہاڑ کے اس طرف انھیں بالکل عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے پہچان پانا مشکل تھا۔ مگر لوگ کہتے تھے کہ یہی چو مولنگما ہے۔ وہ بھی یہ جانتے تھے کہ چو مولنگما کے علاوہ اور کوئی پہاڑ اتنا اونچا ہو ہی نہیں سکتا۔

ڈیرے پر کام کافی مشکل تھا۔ ایک شیرپا کو نوے پونڈ کا وزن لے جانا پڑتا تھا۔ مگر کیونکہ تین زنگ کے یہاں جوش تھا اس لیے انھیں یہ وزن پھول جیسا لگ رہا تھا۔ وہ سوچتے کہ انھیں اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کا موقع مل رہا ہے۔

اس مہم میں تین زنگ نے نئی باتیں سیکھیں۔ مگر ابھی اور بہت کچھ سیکھنا باقی تھا۔ کوہ پیمائی کی تکنیک سمجھنی تھی۔ رسّی کا استعمال، کلہاڑی سے برف پر سیڑھیاں بنانا، ٹینٹ کھڑا کرنا، اسے کھولنا، اچھے راستے ڈھونڈنا۔

تین زنگ نئے شیرپا تھے۔ اس لیے انھیں زیادہ کام نہیں دیا گیا۔ مگر وہ اپنی

مرضی سے سارا کام کرتے تھے۔ ٹیم کے ممبران بھی ان سے خوش تھے۔ یہ مہماتی ٹیم 22ہزار فٹ سے اوپر نارتھ کول تک گئی۔ شیرپاؤں نے وہاں تک سامان پہونچایا۔ ان میں تین زنگ بھی تھے۔ پھر ایک دن یہ پارٹی واپس لوٹ پڑی۔ سب ہی شیرپا خوش تھے۔ گھر لوٹنے کی خوشی کسے نہیں ہوتی۔ مگر تین زنگ افسردہ تھے۔ وہ پہاڑ پر اور اوپر تک جانا چاہتے تھے۔ بعد میں بھی ان کی یہی آرزو رہی۔ جب بھی ایوریسٹ کی طرف آئے ان کا دل یہی چاہا کہ وہ اوپر اور اوپر تک جائیں۔ مگر اس بار وہ کچھ زیادہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان سب کو واپس تو لوٹنا ہی تھا۔ انھوں نے اپنے دل میں سوچا ''ارے ابھی تم تو صرف اکیس برس کے ہو۔ ابھی اور بھی مہمات درپیش ہوں گی۔ جلد بہت جلد تم بھی ایک سچے ''ٹائگر'' بنو گے۔

ایک اور مہم

شپٹن کی ٹیم لوٹ آئی۔ اس کی تین زنگ کے لیے بہت اہمیت تھی۔ اب وہ ناتجربہ کار نہیں تھے۔ ان کے پاس اب سند موجود تھی۔ (کوہ پیمائی کی) اب انھیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ کسی بھی مہم میں شامل ہونے کے لیے۔

تین زنگ دارجلنگ میں ہی رہا کرتے تھے۔ ان کے ایک لڑکا ہوا۔ انھوں نے اس کا نام نیمادورجے رکھا۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ مگر وہ چار برس کی عمر میں انتقال کر گیا۔ تین زنگ اور ان کی بیوی داوا پھٹی کو بہت رنج ہوا۔ مگر موت پر کس کا اختیار ہے۔

1935ء پت جھڑ کا موسم۔ ایک اور مہم۔ مگر یہ ایوریسٹ کے لیے نہیں تھی۔

سکم میں ایک پہاڑ ہے ''کابرو'' یہ 24ہزار فٹ اونچا ہے۔ کنچن جنگا ہمالیہ کی ایک مشہور چوٹی ہے۔ کابرو اسی چوٹی کے قریب ہے۔ یہ مہماتی ٹیم کوئی بڑی نہ تھی۔ کوہ پیماؤں میں ڈاک تار کے محکمہ کے ایک انجینئر تھے۔ نام تھا ''کک'' ان کے ایک جرمن دوست بھی تھے۔ شیرپا تھے تین زنگ، انگ تسیرنگ، پاسانگ فُٹر اور پاسانگ کِکی۔ ان میں تین زنگ عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ اس لیے انھیں سب سے زیادہ بوجھ اٹھانا پڑتا تھا۔ اس مہماتی ٹیم کے ساتھ کوئی خاص واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔

سردیوں میں شیرپا آرام کرتے ہیں۔ سردیوں میں کوہ پیمائی بھی نہیں ہوتی۔ چاروں طرف برف اور درجہ حرارت بہت کم ہوتا ہے۔ تین زنگ نے بھی سردیوں میں آرام کیا۔ موسم خزاں (پت جھڑ) آگیا۔ پھر موسم خزاں کے جاتے ہی پہاڑ کا موسم آگیا۔ پہاڑوں پر پھر مہماتی ٹیمیں آنے لگیں۔ تین زنگ بھی دو مہمات میں شامل ہوئے اور ان میں ایک ایوریسٹ کے لیے تھی۔

ایوریسٹ یعنی چومولنگما

اب تین زنگ آسانی سے مہماتی ٹیم میں شامل ہو سکتے تھے۔ ایک بات اور تھی۔ اس مہماتی پارٹی میں ایرک شپٹن بھی تھے۔ ان کے ساتھ تین زنگ کام کر چکے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی کوہ پیما تھے جو سب ہی مشہور تھے۔ یہ پارٹی بہت بڑی تھی۔ اور اس کے پاس کئی نئے آلات بھی تھے۔ سب کو امید تھی شاید اس مرتبہ کامیابی مل جائے۔۔۔ ایوریسٹ تک پہونچنے کی مگر حالات مخالف ہو گئے۔ موسم بہت خراب ہو گیا تھا۔ اچانک برسات شروع ہو گئی۔ لگتا تھا جیسے مانسون آگیا ہو۔ کوہ پیماؤں نے کسی نہ کسی طرح گلیشیروں پر تین خیمے نصب کئے۔ اب برف بھی لگاتار پڑنے لگی تھی۔ وہ کسی طرح نارتھ کول تک پہونچے۔ وہاں ڈھلان بے حد سپاٹ تھی۔ انھوں نے اس پر چڑھنا شروع کیا۔ مگر یہ کیا؟ وہ اچانک برف میں دھنستے چلے گئے۔ کہیں کہیں تو سینہ تک برف تھی۔ یہ کمر توڑ کام تھا۔ خطرے بھی کم نہیں تھے۔ برف نے سب چیزوں کو ڈھک لیا تھا۔ پہاڑوں پر بڑی بڑی کھائیاں ہوتی ہیں، دراڑیں ہوتی ہیں۔ برف نے سب کچھ چھپا لیا تھا۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کہاں کیا ہے۔ کوہ پیما کسی بھی لمحہ ان کھائیوں میں گر سکتے تھے۔ ایک اور ڈر بھی تھا۔ برف دھنسنے کی وجہ سے کئی شیرپا مارے گئے تھے۔

پھر بھی کسی طرح کچھ لوگ نارتھ کول تک پہونچ گئے۔ ان میں تین زنگ بھی تھے۔ وہاں بھی موسم بہت خراب تھا۔ برف مسلسل گر رہی تھی۔ اس قدر برف کہ ایک دوسرے کو دیکھنا مشکل تھا۔ کسی طرح برف تھمی۔ لوگوں نے چین کا سانس لیا۔ مگر ایک دوسری مصیبت آگئی۔ تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ پھر تو کبھی برف گرتی کبھی تیز ہوا چلتی ایسا لگتا کہ جیسے وہ کوہ پیماؤں کو اڑا کر نیچے لے جائیگی۔ مصیبت میں ہی

ہمت کا امتحان ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اب بھی آگے جانے کو تیار تھے۔

مگر پارٹی کے لیڈر سمجھ دار تھے۔ وہ بولے "نہیں" موسم بے حد خطرناک ہے۔ ہم کوئی حادثہ نہیں چاہتے۔ کسی کی جان کا خطرہ اٹھانا نہیں چاہیے۔ ایوریسٹ کہیں بھاگا نہیں جاتا۔ ہم اگلی بار پھر آئیں گے۔ تب تک ایوریسٹ یہیں رہے گا۔

بات بھی صحیح تھی۔ ایوریسٹ تو صدیوں سے وہاں تھا۔ آئندہ بھی وہیں رہے گا۔ اس لئے یہ ٹیم لوٹ پڑی۔ لوٹنا بھی آسان نہیں تھا اس میں بھی کئی خطرے تھے۔ ایسا ہی ایک خطرہ گانڈونگ نام کے مقام پر تھا۔ وہاں ایک ندی تھی۔ پہاڑی ندی، تیز بہاؤ، کوئی پکا پل نہیں۔ اسے پار کرنے کے لیے ایک رسی بندھی تھی۔ اسی کے سہارے ندی پار کرنی تھی۔ ایک۔ ایک کر کے سب ہی پار ہوگئے۔ انھوں نے ندی پار کرنے میں ایک جال کی مدد بھی لی۔ ایک شیرپا کچھ زیادہ ہی بہادر بن رہا تھا۔ بہادری کیا بیوقوفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بولا "میں بغیر جال کے ہی ندی پار کر جاؤں گا"۔ وہاں دھار تیز تھی۔ سنبھل نہ پایا۔ دھار میں پھنس کر اس کے ہاتھ سے رسی چھوٹ گئی۔ اور پھر وہی ہوا کہ جس کا ڈر تھا۔ وہ دھار میں بہہ گیا۔ کچھ لوگوں نے ندی میں کود کر اسے بچانا بھی چاہا مگر بہاؤ اس قدر تیز تھا کہ وہ اسے بچا نہ سکے۔

آخر یہ ایک حادثہ ہو ہی گیا۔ لوگ اداس ہو گئے مگر سفر تو بہر حال کرنا ہی تھا۔ ایک دن وہ سب دارجلنگ لوٹ آئے۔

گڑھوال کی جانب

تین زنگ بے چین طبیعت کے تھے۔ وہ خالی بیٹھنا چاہتے ہی نہیں تھے۔ جلد ہی انھیں ایک موقع مل گیا۔ ایک کپتان نے وسطی ہمالیہ میں جانے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے تین زنگ کو بھی چلنے کو کہا۔ وہ تھے ہی اس انتظار میں جھٹ تیار ہو گئے۔ خالی بیٹھنے سے بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے۔ اس مہم میں تین زنگ نے کئی چیزیں دیکھیں۔ وہ پہلی مرتبہ ٹرین میں چڑھے۔ پہلی بار انھوں نے بڑے بڑے شہر دیکھے۔ کلکتہ، دھلی اور دیگر شہر۔ سفر میں ہمیشہ نئے نئے لوگوں سے ملاقات

ہوتی۔ کپتان نے تین زنگ کا تعارف کئی لوگوں سے کرایا،ان میں ایک تھے "اوس ماسٹر ام" وہ رایل انجینئر نگ کور میں میجر تھے۔وہ گڑھوال میں سروے کررہے تھے۔ انھوں نے تین زنگ کو ساتھ چلنے کو کہا۔وہ فوراً تیار ہوگئے۔اسی برس نندادیوی چوٹی پر چڑھائی کی گئی تھی۔ وہ چوٹی 25,660فٹ اونچی ہے۔ پہلی مرتبہ انسان اتنی اونچائی تک چڑھا تھا۔ لوگوں کو خوشی تھی۔اوس ماسٹرام نندا دیوی کی ہی طرف جارہے تھے۔انھیں اس کے آس پاس کے علاقہ کا سروے کرنا تھا۔

اسی دوران تین زنگ بیمار پڑگئے۔ وہاں تیز گرمی پڑتی تھی۔ کبھی برسات ہوتی تھی۔ایوریسٹ کے سفر کی وجہ سے وہ کچھ کمزور ہوگئے تھے۔بے حد تھکے ہوئے بھی تھے۔انھیں بخار نے آن دبوچا۔ میجراوس ماسٹر ام بھلے شخص تھے۔اس پارٹی میں اور بھی بھلے آدمی تھے۔ کبھی میجر اوس ماسٹر ام تین زنگ کو اپنی پیٹھ پر لادتے، کبھی اور لوگ انھیں اٹھاتے۔

میجر اوس ماسٹر ام کو جڑی بوٹیوں کا بھی علم تھا۔انھوں نے تین زنگ کو بتایا "پیٹ کی خرابی کی وجہ سے تمھیں بخار ہوا ہے۔ یہاں چٹانوں پر کائی ہوتی ہے اسے گرم پانی میں ابال کر پیو، ٹھیک ہو جاؤ گے"۔ تین زنگ نے یہی کیا۔ گرم پانی میں کائی پیتے ہی انھیں الٹیاں شروع ہوگئیں۔ وہ اور کمزور ہوگئے۔ مگر ایک بات ضرور ہوئی۔ان کا بخار جاتا رہا۔ وہ جلد ہی ٹھیک ہوگئے۔

سروے کا کام ختم ہوگیا۔ تین زنگ پھر دارجلنگ لوٹ آئے۔ دارجلنگ کے آس پاس کئی قابل دید مقامات ہیں۔ پہاڑی چوٹیاں ہیں۔ یہاں سیر کرنے دور دور سے مسافر آتے اور شیرپا ان کی مدد کرتے۔ شہر کے پاس ایک پہاڑ ہے۔۔۔نام ہے ٹائگر ہل۔ آسمان صاف ہو اور موسم اچھا ہو تو یہاں سے ایوریسٹ دکھائی دیتا ہے۔ شمال میں دو چوٹیاں ہیں۔ سندکپو اور پھالٹ وہاں سے ایوریسٹ اور بھی اچھی طرح نظر آتا۔ تین زنگ بھی وہاں تک جاتے تھے۔ ایوریسٹ دیکھتے تو کچھ اطمینان ہوتا۔ ایوریسٹ ابھی موجود ہے۔ مگر انھیں دکھ بھی ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ وہاں جا نہیں سکتے تھے۔ مگر انتظار میں بھی مزا ہوتا ہے۔ انھیں یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہاں جائیں گے ضرور۔

1937ء اس برس ایوریسٹ کو سر کرنے کوئی ٹیم نہیں جا رہی تھی۔ اس لیے تین زنگ پھر گڑھوال چلے گئے۔ وہاں انھیں دو اساتذہ کے ساتھ کوہ پیمائی کرنی تھی۔ بے کار بیٹھنے سے تو یہ اچھا ہی تھا۔ اس کوہ پیمائی کے دوران تین زنگ کو طرح طرح کے تجربات ہوئے۔ ان کی ہمت کا بھی امتحان ہوا۔

ایک دن وہ اور ان کے ساتھی بچھڑ گئے گھنا کوہرا۔ پھر یہ کہ برسات شروع ہو گئی۔ تین زنگ کے ساتھ مارٹن تھے۔ وہ ایک استاد تھے۔ دونوں کے پاس نہ ٹینٹ تھا اور نہ کھانے کو غذا۔ وہ ساتھیوں کو پکارتے رہے۔ مگر کون سنتا ہے۔ وہ کہرا اور برسات میں بھٹکتے رہے۔ آخر انھیں ایک غار دکھائی دیا۔ انھوں نے وہاں دو دن بتائے۔ آخر موسم صاف ہوا اور وہ خیمے تک لوٹ آئے۔ بعد میں تبت میں انھوں نے ایک سفر کیا۔ یہ سفر لمبا تھا۔ سفر کامیاب رہا مگر لوٹتے وقت راہ بھول گئے۔ گھنے جنگلات۔ ذرا سی غلطی بڑی سی مصیبت، ان کے پاس غذا کی کمی بھی ہو گئی۔ ادھر بھوک لگ رہی تھی۔ تب ہی ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔ ہوا یہ کہ ادھر کچھ گاؤں والے آ نکلے۔ وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے رکے تھے۔ تین زنگ اور ان کے ساتھیوں نے ان سے کھانا مانگا۔ کہا "پیسے لے لو" مگر گاؤں والے نہ مانے۔ تین زنگ کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ جانتے تھے کہ گاؤں والے چھوا چھوت میں یقین رکھتے ہیں۔ وہ اجنبی کا چھوا ہوا کھانا نہیں کھائیں گے۔ انھوں نے گبسن سے یہ بتایا۔ پھر کہا کہ "وہ باری باری سے چیزیں چھوئیں۔ پوچھیں یہ کیا ہے؟ وہ کیا ہے؟۔" گاؤں والے بہت ناراض ہوئے۔ گبسن نے انھیں پیسے دینے چاہے مگر وہ پیسے لینے کو تیار نہ ہوئے بولے "ہم گرام پردھان سے شکایت کریں گے۔ اور وہ گاؤں کی طرف دوڑ گئے۔ ادھر یہ پارٹی اپنی راہ ہولی۔ اس سفر میں تین زنگ "بن درّے" تک پہونچے۔ بن درّا کافی اونچائی پر ہے۔ وہ بدری ناتھ بھی گئے۔ اس کے بعد وہ دارجلنگ لوٹ آئے۔

☆☆☆

ایک سفر ـــــ جانا پہچانا

1938ء کا موسم بہار۔ کوہ پیمائی کے لیے اچھے وقت۔ ایوریسٹ کے لئے ایک اور مہم۔ اس کے لیڈر تھے۔ "ٹل مین"۔ ایک مشہور کوہ پیما یہ ایک چھوٹی سی پارٹی تھی۔ اس میں شیرپا بھی تھے۔ سفر جانا پہچانا تھا۔ اپریل میں وہ رونگ بک مٹھ کو پار کر کے بنیادی پڑاؤ تک پہونچ گئے۔ اسے بیس کیمپ کہتے ہیں۔ یہیں سے دراصل مہم شروع ہوتی ہے۔ ایوریسٹ کے لیے کسی آسان سے راستہ کی تلاش کی جانے لگی۔ ٹل مین نے تین زنگ کو ساتھ لیا۔ دو شیرپا بھی تھے۔ وہ لھوتا درّے تک گئے۔ تین زنگ بے حد خوش تھے۔ وہ ایوریسٹ کے دونوں بازوؤں کو دیکھ سکتے تھے۔ وہاں سے انھیں تھامے کا اپنا پرانا گھر بھی دکھائی دیا۔ نیچے کھمبو گلیشئر تھا۔ وہاں یاک چر رہے تھے۔ کیپٹن ملوری اسی لھوتا درے تک آئے تھے۔ ٹل مین اور دیگر شیرپاؤں نے درے کو پار کر لیا۔ ٹل مین کو امید تھی کہ شاید وہاں سے کوئی اچھا راستہ مل جائے۔ مگر وہاں سپاٹ ڈھلان تھی۔ چاروں جانب برف ہی برف۔ اترنا آسان تھا مگر چڑھنا مشکل تھا۔ بلکہ شاید ناممکن۔ درے پر گھنا کہرا چھایا ہوا تھا۔ بادل بھی تھے۔ کھمبو کے پار ایک برفیلا غار تھا۔ میلوری نے اس کا نام رکھا تھا۔ یہ ایک ویلش نام تھا۔ "ویسٹرن کوم"۔

وہاں کوئی ٹھیک راستہ نہیں ملا۔ پارٹی بنیادی پڑاؤ پہونچ گئی۔ پھر وہ نارتھ کول کے لیے روانہ ہوئے۔ یہیں ایک حادثہ ہوتے ہوتے بچا۔

کول کے نیچے برف دھنسنے کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ یہاں تین زنگ پہلی مرتبہ اس کی لپیٹ میں آئے۔ رسیوں کے سہارے چھ لوگ اوپر چڑھ رہے تھے۔ یہ تھے کیپٹن اولیور، تین زنگ اور شیرپا نگری بوبرو۔ یہ تینوں ایک رسی پر تھے۔ دوسری رسی پر تھے۔ ٹل مین اور دوسرے شیرپا۔ برف کی ڈھلان سپاٹ تھی۔ وہ سینہ تک گہری بھی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اور مشکل سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اچانک چاروں طرف سے برف چٹخنے کی آواز آئی۔ برف دھنسنے لگی۔ اگلے ہی لمحہ وہ بھی اس کے ساتھ نیچے کھسکنے لگے۔ تین زنگ کے پیر اکھڑ گئے۔ وہ لڑھکنے لگے۔ اس کا سر برف میں

جا گھسا۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا۔ یہی حادثہ 1922 میں ہوا تھا۔ تین زنگ کو لگا کہ جیسے وہ واقعہ دوبارہ دہرایا جارہا ہے۔ ان کا آخیر آپہونچا ہے۔ مگر انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ اپنے کاندھے کے اوپر بار بار برف پر کلہاڑی چلاتے رہے۔ ان کا کوشش تھی کہ کوئی سہارا مل جائے۔ وہ لڑھکنے سے بچ جائیں۔ ان کی کوشش کامیاب ہوئی۔ ان کی کلہاڑی ایک ٹھوس برف میں دھنس گئی۔ وہ اس کے سہارے اوپر چڑھ آئے۔

کوہ پیمائی کے دوران اس قسم کے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اس وقت ہمت سے کام لینا پڑتا ہے۔ دماغ لڑانا پڑتا ہے۔ مایوسی سے کام نہیں چلتا۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ مایوسی ہمیں ناکامی کی گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہے۔ امید کی ڈور ہمیں اوپر لے جاتی ہے۔ کامیابی سے ہم کنار کراتی ہے۔ تین زنگ نے بھی امید کا دامن نہیں چھوڑا اور وہ کامیاب ہوئے۔

ٹائیگر کا تمغہ

ایک دن وہ کسی طرح نارتھ کول پہونچے۔ وہاں انھوں نے تیسرا کیمپ ڈالا۔ تین زنگ تیسری بار یہاں تک پہونچے تھے۔ مگر اس مرتبہ انھیں اور اوپر جانا تھا۔ وہ دیگر شیرپاؤں کے ہمراہ آگے بڑھے۔ چوتھا کیمپ ڈالا پھر پانچواں بھی چٹانوں پر برف ہی برف۔ کوہ پیما نا امید ہوگئے۔ انھوں نے کیمپ تک پہونچنے کی امید چھوڑ دی۔ مگر اگلے لمحہ ہی ان کی ناامیدی ختم ہوگئی۔ وہ سب چھٹا کیمپ ڈالنے کی تیاری کرنے لگے۔ مگر ایک مسئلہ تھا کہ شیرپا کیمپ کا سامان لے کے نہیں پہونچے تھے۔ اب کیا ہو؟ ساتھ کے شیرپاؤں کی ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بولے "ہم سامان لینے نہیں جائیں گے۔ جائیں گے تو پھر واپس نہیں آئیں گے"۔

تین زنگ ہارنے والے نہیں تھے۔ بولے "اچھا میں جاتا ہوں اور سامان لے کر کیا کرتے۔ اکیلے پیٹھ پر سامان لادا۔ پھر چل پڑے۔ مگر آسان نہ تھا۔ ایک تو جگہ جگہ پھسلن، دوسرے یہ کہ پیٹھ پر سامان۔ ایک بار تو وہ بری طرح پھسلے مگر انھوں نے کلہاڑی سے خود کو سنبھال لیا۔ وہ پہونچ گئے۔ نہیں تو؟ نیچے ایک میل گہرے رونگ بک گلیشئر میں جا پڑتے۔

اندھیرا ابھی چھانے لگا تھا۔ یہ اور مصیبت تھی۔ مگر تین زنگ جی دار آدمی تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح پانچویں کیمپ تک پہونچ ہی گئے۔ ان کی بڑی تعریف ہوئی۔ بیس روپیے کا انعام دیا گیا۔ سب نے رات وہیں بتائی۔ اگلے دن چڑھائی پھر شروع ہوئی۔

وہ سب 27 ہزار فٹ تک جا پہونچے تھے۔ یہاں چھٹا پڑاؤ ڈالا گیا۔ وہ پہلی مرتبہ اونچائی تک پہونچے تھے۔ سامان پہونچا کر شیرپا نیچے لوٹ آئے۔ ان کے ساتھ تین زنگ بھی تھے۔ لوٹتے وقت دوسری پارٹی کے لوگ انھیں ملے۔ انھیں امید تھی کہ وہ اس مرتبہ ایوریسٹ تک پہونچ جائیں گے۔ مگر ایوریسٹ فتح نہ ہو پایا۔ کوہ پیما فوراً ہی نیچے لوٹ آئے۔ انھیں کامیابی کی امید دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر مانسون بھی آنے والا تھا۔ اس وجہ سے وہ سب نیچے لوٹنے لگے۔

موسم بگڑنے لگا۔ برف باری شروع ہوگئی۔ برف دھنسنے لگی۔ وہ ایک ایک کیمپ کو پار کرنے لگے۔ یہیں ایک حادثہ ہوا۔ ایک شیرپا۔۔۔ فالج کا شکار ہو گیا مگر وہ بچ گیا۔

ٹل مین ایک فراخ دل کوہ پیما تھے۔ وہ ہمت کی قدر کرتے تھے۔ انھوں نے ایک دستور بنایا۔ جو شیرپا سب سے زیادہ اونچائی تک پہونچے گا اسے ٹائیگر کا خطاب دیا جائے گا اور ایک تمغہ بھی دیا جائے گا۔ یوں تو یہ دستور پہلے بھی تھا۔ مگر ٹل مین نے اسے باقاعدہ شکل عطا کی۔

تین زنگ کو بھی ٹائیگر کا تمغہ دیا گیا۔ رکارڈ میں ان کا نام بھی درج کیا گیا۔ تین زنگ بے حد خوش تھے کیونکہ اب وہ ایک ٹائیگر تھے۔ تین زنگ کہتے تھے۔ ''شیرپاؤں کی زندگی ملاحوں کی زندگی کی ہی طرف ہوتی ہے۔ وہ اکثر اپنے گھر اور گھر والوں سے دور رہتے ہیں''۔ 1939ء میں تین زنگ کو پھر پہاڑ پر جانا پڑا۔ مگر ایوریسٹ کی جانب نہیں۔ اس مرتبہ انھیں بالکل نئی جگہ جانا تھا۔

تد تھ میر: ایک بڑا چیلنج

دریائے سندھ کے پار ہندو کش کا پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ بھی ہمالیہ کا ہی حصہ ہے۔ یہاں تد تھ میر نام کی چوٹی ہے۔ تین زنگ کو یہیں ایک عورت کے ساتھ جانا تھا۔ ان کا نام تھا بیدل اسمیٹن۔ وہ دارجلنگ کے شیرپاؤں کو خطاب کرنے آئی تھیں۔ تین زنگ سے پوچھا تو وہ جھٹ تیار ہوگئے۔ تین زنگ شیرپاؤں کے ساتھ لاہور گئے۔ وہاں اسمیٹن کے شوہر رہتے تھے۔ وہ کیپٹن تھے۔ ان کے ایک دوست بھی تھے۔ نام تھا میجر آگل وہ سب کے سب تدتھ میر کی جانب چل پڑے۔

یہ چوٹی 25,260فٹ اونچی ہے۔ اسمیٹن کی پارٹی بہت چھوٹی تھی سامان بھی کافی نہیں تھا۔ پھر بھی وہ 23ہزار فٹ تک چڑھ گئے۔ مگر اس سے آگے نہ جاسکے۔ ہوا تیز تھی۔ برف سے بھی ٹھنڈی۔ میڈم اسمیٹن بھی عمدہ کوہ پیما تھیں۔ وہ باہمت بھی تھی اخیر تک وہ ساتھ رہیں۔ مگر وہ سب کے سب کیمپ تک نہیں پہونچے۔ کیونکہ ان کے پاس آلات نہیں تھے۔ وہ لوٹ آئے مگر ناامید نہیں تھے۔ انھوں نے ہمت کی کمی کی وجہ سے مہم ختم نہیں کی۔

باقی شیرپا دارجلنگ لوٹ گئے۔ مگر تین زنگ وہیں رہ گئے۔ چترال میں ان کی ملاقات میجر وھائٹ سے ہوئی۔ انھوں نے ہی اسمیٹن کی مدد کی تھی۔ میجر وھائٹ نے تین زنگ سے پوچھا "تم میرے ساتھ کام کروگے؟" "کیوں نہیں" انھوں نے جواب دیا۔

اور اس طرح ان کی ایک نئی زندگی شروع ہوئی۔ اس وقت ہندوستانی فوج میں ایک مشہور ریجی مینٹ تھی۔ اس کا نام 'چترال اسکاؤٹس" تھا۔ میجر وھائٹ اسی ریجی مینٹ کے آفیسر تھے۔ تین زنگ وہیں کام کرنے لگے۔ دھیرے دھیرے کئی مہینے بیت گئے۔ اسی دوران انھیں ایک بری خبر ملی۔ ان کے بیٹے تیمادورجے کا انتقال ہوگیا تھا۔ تین زنگ اسے بے حد پیار کرتے تھے۔ انھیں بہت رنج ہوا۔ میجر دھائٹ کو ان سے ہمدردی تھی۔ وہ بولے "تم دارجلنگ

جاؤ۔ گھر والوں سے مل آؤ۔ چاہو تو انھیں بھی لے آؤ"۔ تین زنگ دارجلنگ کے لیے روانہ ہوئے۔ وہ وہاں کچھ دن رہے۔ ان کے گھر ایک بیٹی نے جنم لیا۔ وہ خوش ہوئے۔ تیما کا دکھ تھوڑا بھول گئے۔ انھوں نے اپنی دوسری بیٹی کا بھی نام تیما رکھا۔ پھر وہ اپنے خاندان کے ہمراہ چترال لوٹ آئے۔ چترال انھیں بھا گیا تھا۔ میجر وھائٹ انھیں بیٹے کی طرح سمجھتے تھے۔

رجمنٹ کے ساتھ تین زنگ کئی جگہوں پر گئے۔ وہ کشمیر میں بھی رہے۔ وہیں انھوں نے برف پر اسکیٹنگ سیکھی۔ چترال میں انھوں نے کئی زبانیں سیکھیں ہندوستانی چترال اور پشتو۔ ان کا انگریزی علم بھی بڑھا۔

وہ جنگ کا زمانہ تھا۔ چاروں طرف گرما گرمی تھی۔ تب ہی تین زنگ پر ایک اور مصیبت آئی۔ ان کی بیوی چھٹی بیمار رہتی تھیں۔ انھوں نے ان کا کافی علاج کرایا مگر بچا نہ سکے۔ 1944 میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی دونوں بیٹیاں بغیر ماں کی ہو گئیں۔ ان کے نام تھے۔ پیم اور نیما۔ وہ چھوٹی تھیں تین زنگ نے ان کے لیے ایک آیا رکھ لی۔ مگر اس سے کام نہیں چلا۔ تین زنگ نے دارجلنگ لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔

1946 میں وہ دارجلنگ لوٹ آئے۔ یہاں لوگوں نے ان سے دوسری شادی کرنے کو کہا۔ بچیوں کے لیے بھی نئی ماں ضروری تھی۔ تین زنگ نے شادی کر لی۔ ان کی دوسری بیوی داوا پھٹی کی چچازاد بہن تھی۔ تین زنگ اسے جانتے تھے۔ اس کا نام تھا انگ لہمو۔

چھوٹی مہمات اور خطرناک خواب

اب تین زنگ کی زندگی دارجلنگ میں گزرنے لگی۔ اسی درمیان وہ چھوٹی چھوٹی مہموں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ جنگ بھی ختم ہو گئی۔ ہندوستان بھی آزادی کی راہ پر آگے بڑھنے لگا۔

1947ء آیا۔ موسم بہار آیا۔ کوہ پیمائی کا وقت آیا۔ دارجلنگ میں "ڈین

مان" نام کے ایک کوہ پیما آئے۔ ان کا جنم کناڈا میں ہوا تھا۔ وہ انگلینڈ میں پڑھے تھے۔ پھر افریقہ جا کر وہیں بس گئے۔

ڈین مان کا ایک خواب تھا۔ ایک خطرناک خواب، وہ ایوریسٹ پر اکیلے چڑھنا چاہتے تھے۔ چپ چاپ بغیر کسی تام جھام کے۔ ان کے پاس پیسے بھی زیادہ نہیں تھے۔ تین زنگ ڈین مان سے ملے۔ انھیں تین زنگ کے تجربات کا علم ہوا۔ وہ انھیں ساتھ چلنے کے لیے کہنے لگے۔ ڈین مان جی دار آدمی تھے۔ ان کے پاس تبت جانے کا اجازت نامہ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ ایوریسٹ پر جانا چاہتے تھے۔۔۔ تبت کی طرف سے تین زنگ سوچنے لگے۔ کیسے جائیں وہاں تک۔ راستہ میں ہی پکڑ لیے جائیں گے۔ انھوں نے ڈین مان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر ان کا تو ہدف تھا۔ ایوریسٹ۔

تین زنگ بھی ایوریسٹ تک پہونچنا چاہتے تھے۔ آخر کار وہ تیار ہو ہی گئے کسی طرح چھپتے چھپاتے، سپاہیوں سے بچتے بچاتے وہ رونگ بک مٹھ تک پہونچ گئے۔

سامنے ایوریسٹ تھا۔ آسمان سے باتیں کرتا، برف سے ڈھکا، تین زنگ کے دل میں گدگدیاں ہونے لگیں۔ وہ نو برس بعد اسے دیکھ رہے تھے۔ جی میں آیا کہ فوراً چوٹی تک پہونچ جائیں۔ مگر صرف چاہنے سے ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ منزل پر پہونچ گئے۔ مگر اسی دوران ڈین مان بے حد کمزور ہو گئے۔ کبھی کبھی تو وہ چل بھی نہیں پاتے تھے۔ پھر بھی انھوں نے کول کی ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کی۔ ہوا تیز ہو گئی تھی اور ٹھنڈ الگ پڑ رہی تھی۔ ایک قدم بھی آگے بڑھانا دشوار تھا۔ ہار کر سب کیمپ میں لوٹ آئے۔ ہار۔ ایک بار پھر ہار۔ ڈین مان جان گئے کہ ایوریسٹ تک پہونچنا مشکل ہے۔ وہ ہمت والے تھے۔ نہایت مشکل مزاج بھی اور سمجھ دار بھی، وہ سمجھتے تھے کہ آگے بڑھنا جان بوجھ کر موت کے منھ میں جانا ہے۔ انھوں نے لوٹنے کا ارادہ کر لیا اور وہ سب تیزی سے لوٹنے لگے۔

ساتھی کی مدد: سب سے بڑی عبادت

دارجلنگ لوٹتے ہی تین زنگ کو ایک اور کام مل گیا۔ ایک مہم گڑھوال

جارہی تھی وہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اس مہم کے دوران ایک حادثہ ہو گیا۔ چوٹی پر چڑھتے وقت دو آدمی حادثہ کا شکار ہو گئے۔ یہ تھے ایک کوہ پیا سٹر اور ایک شیرپا واگنڈی نوبرو۔ پہاڑ کی چوٹی کی طرف جاتے وقت وہ دونوں ایک رسی سے بندھے ہوئے تھے وہ برف کی ایک بہت تنگ چٹان پر چڑھ رہے تھے۔ یکایک وہ پھسل گئے۔ وہ سنبھل نہ پائے اور لڑھکتے لڑھکتے ہزاروں فٹ نیچے جاگرے۔ سب لوگ گھبرا گئے نیچے جھانکنے پر پتہ ہی نہیں چل رہا تھا۔ کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ ان کے پاس کوئی جا بھی نہیں سکتا تھا۔ راستہ چکر دار اور خطرناک تھا۔ ان تک پہونچنے میں گھنٹوں لگ جاتے۔ خوش قسمتی یہ رہی کہ سٹر زیادہ زخمی نہیں ہوئے۔ مگر واگنڈی نوبرو کے ساتھ کچھ اور ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ اس کا ایک پیر ٹوٹ گیا تھا۔ سٹر اسے اوپر تک لا نہیں سکتے تھے۔ انھوں نے جیسے تیسے ایک ہنگامی کیمپ لگایا۔ اس میں باگنڈی نوبرو کو لٹا یا۔ اس سے کہا "گھبرانا نہیں"۔ ہم لوگ تمھیں لینے آئیں گے۔ پھر جیسے تیسے وہ نیچے کے کیمپ میں آ گئے۔ اس وقت تک شام ہو گئی تھی۔ کچھ کیا ہی نہ جاسکتا تھی۔

تین زنگ اور دیگر کوہ پیماؤں نے رات بے چینی سے کاٹی۔ دوسرے دن صبح سویرے ہی بچاؤ پارٹی چل دی۔ اس میں تین زنگ بھی تھے۔ اور لوگ بے حد تھکے ہوئے تھے۔ مگر تین زنگ آرام بھی کر چکے تھے۔ وہ تازگی محسوس کر رہے تھے۔ پھر یہ کہ باگنڈی نوبرو ان کا پرانا دوست تھا۔ 1938ء میں وہ ساتھ ساتھ ایوریسٹ تک گئے تھے۔ وہ ان کا ساتھی "ٹائیگر" تھا اسے بچانا ضروری تھا۔

قسمت کی بات کہ موسم ٹھیک تھا۔ کچھ ہی گھنٹوں میں وہ باگنڈی نوبرو کیمپ تک پہونچ گئے۔ انھوں نے لپک کر پردہ کھولا۔ وہاں کا منظر دیکھ کر وہ بھونچکا گئے۔ واگنڈی نوبرو زندہ تھا۔ مگر اس کے گلے میں ایک زخم بھی تھا۔ بعد میں باگنڈی نوبرو نے بتایا کہ پچھلی رات وہ شک میں مبتلا ہو گیا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ سٹر نے کیا کہا تھا۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ اسے ایسا لگا کہ سٹر اسے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ برف میں جم جانے کے لیے مرجانے کے لیے۔ اسے کچھ نہ سوجھا۔ گھبراہٹ میں اس نے خودکشی کرنی چاہی۔ اس نے چاقو نکالا اور اپنا گلا کاٹ

لیا۔ مگر وہ کمزور تھا اس لیے گلا پوری طرح نہ کٹ پایا۔ پھر اسے اپنے گھر والوں کی یاد آئی اور اس نے طے کیا کہ اسے زندہ رہنا ہے۔ مرنا نہیں ہے۔ اس کے مرنے سے گھر والے یتیم ہو جائیں گے۔ وہ ساری رات چپ چاپ پڑا رہا۔ اس کے نتیجہ میں خون جم گیا۔ اور اس طرح وہ مرنے سے بچ گیا۔ تین زنگ اور ان کے ساتھیوں نے کسی نہ کسی طرح اسٹریچر بنا کر واگنڈی نوبرو کو نیچے لائے۔ پھر اسے بیس کیمپ (base camp) میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سے علاج کے لیے اسے مسوری بھیج دیا گیا۔ باقی کوہ پیما پھر اپنے اپنے کام میں جٹ گئے۔ مگر وہ کچھ کچھ نا امید بھی تھے۔ مگر وہ کیدارناتھ کیمپ پر چڑھنے میں کامیاب رہے۔ ان میں تین زنگ بھی تھے۔ اب دارجلنگ واپسی کا سفر شروع ہوا۔

☆☆☆

ایک سفر — پاک سرزمین کا

تبت پہاڑوں کے درمیان ایک دشوار گزار ملک ہے۔ دلائی لامہ کی جائے پیدائش۔ لھاسہ تبت کی راجدھانی ایک متبرک زیارت گاہ۔ تین زنگ کئی بار تبت ہو آئے تھے۔ مگر وہ لھاسہ تک پہونچ گئے تھے۔ اب انھیں لھاسہ جانے کا موقع ملا۔ کیا یہ کوئی کوہ پیمائی کی مہم تھی؟ نہیں یہ سفر علمی تلاش کے لیے تھا۔ اور اس سفر کے لیڈر تھے پروفیسر کسے تُکّی۔ پروفیسر کسے تکّی اٹلی کے رہنے والے تھے۔ مگر انھیں قدیم فنون سے عشق تھا۔ وہ قدیم تہذیب کے ایک بڑے عالم تھے۔ ''قدیم'' کا مطلب کیا ہے؟ قدیم کا مطلب ہے ''پرانا'' پہلے زمانہ کا''۔ زمین کے دو نصف کرتے ہیں۔ یعنی دو حصے ہیں۔ ان میں ایک مشرقی حصہ ہے اور دوسرا مغربی۔

مشرقی حصہ میں ہے بھارت، چین جاپان یعنی ایشیا مغرب کے حصہ میں ہے یوروپ اور امریکہ۔ قدیم فنون تہذیب کا مطلب ہے مشرقی ملکوں کے فنون اور تہذیب۔

پرفیسر تکّی اسی کے عالم تھے۔ وہ سات مرتبہ سفر کر چکے تھے۔ مگر یہ سفر صرف تفریح کے لیے نہیں تھے۔ اس اسفار کے دوران وہ قدیم کتابیں تلاش کرتے تھے۔ پرانے فنون سے متعلقہ چیزیں اکٹھی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ پھر تبت جانا چاہتے تھے۔ اسی لئے دارجلنگ آئے تھے۔ سفر کے لئے قلیوں اور مددگاروں کی ضرورت تھی۔ اور اس کام کے لیے دارجلنگ نہایت موزوں مقام تھا۔

پروفیسر تکی نے کچھ شیرپا مقرر کیے اور سفر پر چل پڑے۔ تین زنگ اس پارٹی میں نہیں تھے۔ انھوں نے درخواست دی تھی۔ مگر اس وقت تک سب جگہیں بھر چکی تھیں۔ تین زنگ بہت مایوس ہوئے۔ اس مایوسی کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ کام نہیں ملا اور دوسری یہ کہ لھاسہ جانے کا ایک بہترین موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ کچھ دنوں بعد تین زنگ کو سفر میں شامل ہونے کا بلاوا ملا۔ اس کی وجہ تھی۔ پروفیسر تکی اپنے مددگاروں سے مطمئن نہیں تھے۔ وہ ایک اچھا نائب چاہتے

تھے۔ ایسا مددگار جو کئی زبانیں جانتا ہو۔ جیسے یہ کہ اسے انگریزی کا علم ہو، ہندوستانی آتی ہو، تین زنگ میں یہ تمام اوصاف موجود تھے۔ اسی لیے اسے بلایا گیا تھا۔

سردار کساپال نے تین زنگ کو بلایا اور پوچھا "کیا تم پروفیسر تکی کے پارٹی میں جاؤ گے؟" کہاوت ہے "اندھا کیا چاہے؟" دو نین ۔ تین زنگ تو خود جانا چاہتے تھے۔ وہ فوراً تیار ہو گئے۔ ایک دن وہ گنگ توک روانہ ہو گئے۔ گنگ توک سکم کی راجدھانی ۔ وہاں تین زنگ کی پروفیسر تکی سے ملاقات ہوئی ۔ انھوں نے دیکھا کہ شیرپا ان سے بہت ڈرتے ہیں۔ کچھ ناراض بھی ہیں۔ ان کی شکایت تھی "صاحب بہت زیادہ کام لیتا ہے"

پروفیسر نے تین زنگ کو یوں ہی شامل نہیں کر لیا۔ انھوں نے ان کا امتحان لیا۔ تبتی، نیپالی، ہندوستانی، انگریزی سب ہی زبانوں میں سوال پوچھے، تین زنگ نے بھی انھیں زبانوں میں جواب دیے۔ پروفیسر تکی ان کے جوابات سے خوش ہو گئے۔ انھوں نے تین زنگ کو پارٹی میں شامل کر لیا۔

کنچن جنگا: پانچ خزانوں کا عظیم برف

گنگوتری میں سفر کی تیاریاں کی جانے لگیں پھر ایک دن یہ قافلہ چل پڑا۔ اس میں تین اٹلی کے باسی بھی تھے۔ ایک شیرپا تھا۔ وہ کھانا بناتا تھا۔ ایک منگولی لاما بھی تھا۔ وہ دارجلنگ سے لھاسہ جا رہا تھا۔ بندوقیں تھیں۔ پیٹیوں میں تحفے بھرے تھے۔ کچھ پیٹیاں خالی تھیں۔ ان میں پروفیسر اکٹھی کی ہوئی چیزیں رکھتے تھے۔ ان چیزوں کو وہ جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

پروفیسر تکی تین زنگ کو پسند کرنے لگے تھے۔ انھوں نے انھیں سارے سامان کا انچارج بنا دیا تھا۔ اپنی نجی پیٹیوں کی چابیاں بھی دے دی تھیں ۔ راستے کے خرچ کے لیے بہت سا پیسہ بھی دیا تھا۔ تین زنگ بھی ان کی عزت کرنے لگے تھے۔ اسی سفر میں تین زنگ کو پیدل نہیں چلنا پڑا۔ انھیں ایک سواری دی گئی۔ پہاڑی راستہ ۔ کہیں اونچا کہیں نیچا۔ پھر سفر عجیب ۔ کچھ پتہ نہیں کہاں جائیں گے۔ کب

رکیں گے ۔کب چل پڑیں گے ۔اس کی ایک وجہ تھی۔ پروفیسر علم کے راہ پر نکلے تھے۔وہ تبت کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔انھیں معلوم تھا کہ کوئی چیز کہاں ملے گی۔ بس ہوا یہ کہ چلتے چلتے انھیں کوئی بات یاد آتی اور وہ اپنے سفر کی سمت تبدیل کر دیتے۔

پروفیسر ایک عالم تھے۔ کئی زبانوں کے ماہر۔ تین زنگ گن ہی نہیں پائے کہ وہ کتنی زبانیں جانتے تھے۔وہ تین زنگ سے ایک زبان میں بات کرتے کرتے اچانک دوسری زبان میں بات کرنے لگتے۔ان سے تین زنگ نے بہت سی باتیں سیکھیں تین زنگ کو ایسا لگتا تھا کہ وہ سفر کے ساتھ ساتھ اسکول بھی جارہے ہیں۔ تین زنگ نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ بودھ مٹھ صرف ایک رہائش گاہ نہیں ہے وہ مختلف قدیم مسودوں اور فنکارانہ چیزوں کا خزانہ بھی ہیں۔ ہر چیز کے کچھ معنی اور ایک تاریخ بھی ہوتی ہے۔ تین زنگ کو بھی اس سفر میں کئی نئی باتیں معلوم ہوئیں، جیسے کنچن جنگا کا نام چار تبتی حروف سے مل کر بنا ہے۔کانگ یعنی برف چین یعنی عظیم جور یعنی گنج، خزانہ اور نگ یعنی پانچ، یعنی یہ کہ اگر ہم صاف صاف ہجے کریں تو نام ہوگا: چین ۔جور۔نگ یعنی پانچ خزانوں سمیت عظیم برف۔ یہاں پانچ خزانوں کا مطلب ہے پانچ چوٹیاں۔ان چوٹیوں کے نام بھی ہیں جیسے:

تسا= نمک، سیر چانگ می = فردوس، چوپ دھانگ نگر = مقدس کتابیں اور سرمایہ، متسن= اسلحہ اور توچوگ دھانگ = فصل اور دوائیاں۔ تب سے تین زنگ یہ نہ بھول سکے کہ ان کے پہاڑ صرف تخ اور برف کی ہی چیزیں نہیں ہیں ۔ان کی بھی تاریخ ہے۔

رفتہ رفتہ کنچن جنگا پیچھے چھوٹ گیا۔اس قافلہ نے تبت کی اونچائی پار کرلی تھی۔ تین زنگ کے لیے وہ علاقہ نیا تھا۔ ہر چیز انھیں اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ بیس دن بعد وہ لھاسا پہونچے۔ وہاں ان سب کا بڑا استقبال کیا گیا۔ تین زنگ تبتی بولتے تھے۔لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ تین زنگ ان سے بتاتے ''میں شیرپا ہوں'' پھر وہ ان سے کئی سوال کرتے۔ایک بار ایک جلسہ میں تین زنگ سے پوچھا گیا ''کیا چو مولنگما پر چڑھا جاسکے گا؟''۔ تین زنگ نے جواب دیا ''انسان کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں

ہے۔ اگر وہ کوشش کرے تو یقیناً کامیاب ہو جائے گا"۔

"کیا اس پر چڑھنے میں ڈر نہیں لگتا ہے وہ دیوتاؤں اور راکھششوں کی رہائش گاہ ہے"۔

"میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ سڑک حادثہ میں بھی آدمی مر سکتا ہے پہاڑوں سے میں کیا ڈروں؟"۔

لھاسہ میں تین زنگ دلائی لامہ سے ملے۔ وہاں انھیں کوئی دلائی لامہ نہیں کہتا۔ انھیں "گیالوا رم پوچھے" کہا جاتا ہے۔ "گیالوا" کے معنی ہیں وہ جس نے فتح حاصل کرلی ہے، جو مالک ہے۔ دوسرے لفظوں میں "بدھ ایشور"۔ "رم پوچھے" کا مطلب ہے۔ قیمتی، پاک۔

پروفیسر تکی نے کئی قدیم مخطوطے اکٹھے کیے۔ یہ سب نادر تھے۔ پھر وہ لھاسہ سے چل پڑے۔ تین زنگ بے حد خوش تھے۔ وہ پاک سرزمین تک پہونچ چکے تھے۔ انھوں نے گیالوا رم پوچھے کی زیارت کی تھی۔ ان سے بات کی تھی۔ اس سفر میں کئی واقعات رونما ہوئے۔ آخر میں یہ سفر کامیاب بھی رہا۔

پروفیسر تکی ایک مخطوطہ کی تلاش میں گئے تھے۔ یہ سنسکرت میں لکھا ہوا تھا اور دو ہزار برس پرانا تھا۔ اسے بھوج پتر پر تحریر کیا گیا تھا۔ عالموں کو یہ یقین تو تھا کہ یہ موجود ہے مگر اسے کوئی تلاش نہیں کرپایا تھا۔ پروفیسر تکی اس کی ہی تلاش میں آئے تھے۔ تبت میں دھنگا نام کا ایک مٹھ ہے۔ پروفیسر تکی کو یقین تھا کہ یہ مخطوطہ وہیں ہے۔ اسی لیے سب دھنگا گئے۔ مگر اسے تلاش کرنا کوئی آسان نہیں تھا۔ لاماؤں کو اس کا کچھ علم نہیں تھا۔ پھر یہ کہ مٹھ میں ہزاروں مخطوطے موجود تھے۔ پروفیسر تکی ناامید نہیں ہوئے۔ وہ اس مخطوطے کو تلاش کرتے رہے۔ مگر وہ نہیں ملا۔

ایک صبح کا ذکر ہے کہ تین زنگ نے دیکھا کہ پروفیسر کی قمیص باہر ہے۔ تین زنگ نے ان کا دھیان اس طرف کرایا۔ وہ بولے "میرے لیے یہ خوش بختی کی علامت ہے۔ شاید وہ مخطوطہ آج ہی مجھے مل جائے"۔ اور سچ مچ وہ انھیں اسی روم میں مل گیا۔ قسمت کی بات ہے۔ یہ مخطوطہ تین زنگ کو ہی ملا۔ وہ انھیں کے نیچے

دبا ہوا تھا۔ پروفیسر تکی نے تین زنگ کو اس کے بارے میں بہت کچھ بتا رکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی تین زنگ سمجھ گئے کہ یہ وہی مخطوطہ ہے۔ تین زنگ اسے پروفیسر کے پاس لے گئے۔ اسے دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑے۔ پروفیسر تکی نے اب لاماؤں سے بات کی کہ "وہ چاہیں جتنا روپیہ لے لیں مگر مخطوطہ ان کے حوالہ کر دیں"۔ مگر لاما پیسے لینے کو تیار نہ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ علم بیچا نہیں جاتا۔ جسے اس کی چاہ ہے اسے وہ بغیر قیمت کے ہی ملنا چاہیے۔ لاماؤں نے کہا کہ وہ مخطوطہ اٹلی لے جائیں۔ اس کی نقلیں کرالیں پھر وہ اصل مخطوطہ انھیں واپس بھیج دیں۔

پروفیسر تکی اس تجویز پر راضی ہو گئے۔ انھوں نے مٹھ میں پانچ سو روپے چڑھائے۔ لاماؤں کا شکر ادا کیا پھر لوٹ پڑے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کوششوں سے کامیابی ملتی ہی ہے بھلے ہی وہ دیر سے کیوں نہ ملے۔

ایوریسٹ کی طرف ـــ ایک نئی سمت سے

تین زنگ کئی مقامات کا سفر کر چکے تھے۔ کئی کیمپوں پر چڑھے تھے مگر ان کا خواب ابھی پورا نہیں ہوا تھا یہ سپنا تھا چومولنگما تک پہونچنے کا۔ چودہ برس پہلے وہ اس پر چڑھے تھے۔ تب انھوں نے ٹائیگر کا خطاب جیتا تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتے، حیران ہوتے "کیا وہ بھی وہاں پہونچ پائیں گے؟ یا دیوتا انھیں پیارے پہاڑ سے دور ہی رکھیں گے؟ مگر دیوتا ان پر مہربان تھے۔۔ وہ تیس برس کے ہو رہے تھے۔ جلد ہی انھیں ایک اہم کامیابی ملنے والی تھی ۔ یہ کامیابی کیا تھی؟ یہ تھی۔۔۔ ایک بار پھر سے ایوریسٹ کا سفر اس مرتبہ سفر کا راستہ نیا تھا۔ اس مرتبہ نیپال کی طرف سے اس پر جاتا تھا۔ یعنی جنوب سے شمال کی طرف۔

1952ء

ایوریسٹ کے لیے ایک نئی مہم شروع ہوئی۔ اس مہماتی ٹیم کے لیڈر تھے ڈاکٹر واپس ژونٹ۔ تین زنگ اس سے مل چکے تھے۔ ایک کوہ پیما بھی تھے۔ نام تھا ریمنڈ لیمب برٹ لوگ پیار سے انھیں "بھالو" کہتے تھے۔ وہ آلپس پہاڑ پر چڑھائی کیا

کرتے تھے۔اسی وجہ سے ایک مرتبہ ان کے پیروں کی انگلیاں گل گئی تھیں، پر لیمب برٹ تھے بہت جرآت مند۔وہ اپنے چھوٹے چھوٹے پیروں سے ایوریسٹ پر چڑھنا چاہتے تھے۔

سفر شروع ہوا۔

ایک دن وہ ایوریسٹ کی تلہٹی میں پہونچ گئے۔بیس کیمپ لگایا گیا پھر نئے کیمپ بنانے کا کام شروع ہوا۔ کوہ پیما آگے بڑھتے گئے۔ڈزیل نام کے ایک کوہ پیما بھی تھے۔

تین زنگ اور لیمب برٹ آگے آگے تھے۔رفتہ رفتہ وہ ایوریسٹ کے جنوبی چوٹی تک پہنچ گئے۔ مگر اصل چوٹی تو دور تھی۔پھر بھی وہ 28,250 فٹ تک کی اونچائی تک پہنچ چکے تھے۔

پہلی مرتبہ انسان اتنی اونچائی تک پہونچا تھا۔ مگر ایوریسٹ تو ابھی بھی دور تھا۔ مگر اب آگے بڑھنا مشکل تھا۔ آگے بڑھنا تو ممکن تھا مگر لوٹنا مشکل۔ کیا کیا جائے۔

آگے بڑھا جائے یا نیچے لوٹا جائے۔ تین زنگ اور لیمب برٹ یہی سوچتے رہے۔انھوں نے دیکھا۔۔۔چوٹی تک پہونچنا مشکل ہے۔ آگے بڑھنے کا مطلب ہے۔۔۔ موت مایوس ہو کر وہ نیچے اترنے لگے۔دل بھاری ہو گیا۔ لیکن انھیں یقین تھا۔شاید اگلی کوشش میں وہ چوٹی پر پہونچ جائیں۔

☆☆☆

ایورسٹ کا ساتواں سفر

1953ء پر ایک نئی مہم کی تیاری ۔اس مرتبہ مہم کے لیڈر تھے۔کرنل ہنٹ۔اس میں ایڈمنڈ ہلیری بھی تھے۔ تین زنگ کو بھی دعوت ملی۔وہ تو تیار ہی بیٹھے تھے۔

ایک بار سفر پھر شروع ہوا۔اس مرتبہ مہم بہت بڑی تھی۔دارجلنگ سے کاٹھ مانڈو۔کاٹھ مانڈو سے نامچے بازار۔پھر چڑھائی ۔ایک دن یہ مہماتی ٹیم تھیانگ بوچے مٹھ پہونچ گئی۔وہ کچھ دن رہے۔مقصد تھا۔۔۔وہاں کی آب وہوا کے عادی ہو جائیں۔

اسی دوران کرنل ہنٹ چوٹی پر مہم لے جانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔انھوں نے تین زنگ سے ایک وعدہ کیا۔اگر ان کی صحت اور جسمانی حالت اچھی رہی تو انھیں چوٹی پر چڑھنے کا موقع دیا جائے گا۔ڈاکٹری معائنہ ہوا۔ تین زنگ سب سے زیادہ ”فٹ “پائے گئے۔ایک میں تھے ہلیری اور تین زنگ ،دوسری میں تھے۔ڈاکٹر ایوائنس اور بورڈلن۔دیگر شیرپاؤں کو یہ معلوم ہوا۔انھوں نے تین زنگ سے کہا کہ وہ پاگل ہوگئے ہیں ۔ہوسکتا ہے کہ مہم کے دوران ان کی موت ہو جائے۔پھر وہ ان کی بیوی کو کیا منہ دکھائیں گے؟ان کو اور بھی امیدیں تھیں۔پھر وہ ان کا کہنا تھا کہ ایورسٹ فتح ہو جانے کے بعد مہمات بند ہو جائیں گی۔اور پھر ان کی روزی روٹی ختم ہو جائے گی۔لیکن تین زنگ نے سب کو مطمئن کر دیا۔اب تین زنگ ،ہلیری کے ساتھ ہی رہتے۔وہ کم سے کم بوجھ اٹھاتے۔ بیس کیمپ اور مغربی کوم کے درمیان آتے جاتے۔ آکسیجن کے آلات کی مشق کرتے۔نوآموز شیرپاؤں کو سپاٹ ڈھلان والے راستوں پر مدد پہونچاتے۔

تین زنگ اور ہلیری ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے لگے تھے۔ایک دن کی بات ہے کہ وہ کیمپ 2 سے کیمپ نمبر 1 کی طرف آرہے تھے۔وہ آپس میں رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ہلیری آگے تھے اور تین زنگ پیچھے ۔وہ لوگ برف کی اونچی اونچی دیوراوں کے درمیان اپنی راہ بنا رہے تھے۔اچانک ہلیری کے قدموں کے نیچے کی برف

کھسک گئی اور وہ ایک دراڑ میں گر پڑے۔ ”تین زنگ، تین زنگ“ انھوں نے پکارا۔

خوش قسمتی سے دونوں کے درمیان زیادہ بڑی رسی نہیں تھی۔ پھر یہ کہ تین زنگ اس قسم کے کسی بھی حادثہ کی طرف ہوشیار بھی تھے۔ انھوں نے فوراً کلہاڑی برف میں گاڑی اور خود اس کی بغل میں لیٹ کر انھیں گرنے سے روکنے لگے۔ وہ پندرہ فٹ نیچے جاگرے تھے۔ دھیرے دھیرے انھوں نے انھیں اوپر کھینچ لیا۔ جب تک وہ اوپر آئیں تین زنگ کے دستانے تار تار ہوچکے تھے مگر ہاتھ صحیح سلامت تھے۔ ہاں۔ یہاں وہاں کھرونچیں ضرور لگ گئی تھیں۔ ہلیری کو کوئی چوٹ نہیں پہونچی تھی۔ وہ بولے ”شاباش تین زنگ، بہت اچھا کیا“۔

بعد میں ہلیری نے کیمپ میں جاکر لوگوں کو بتایا کہ ”اگر آج تین زنگ نہ ہوتے تو میں کہیں کا نہ رہتا“۔

لگاتار کام : کامیابی کا نسخہ

ایوریسٹ میں کوم نام کی جگہ ہے۔ یہ آئرش نام ہے۔ یہ نام ہلیری نے رکھا تھا۔ کوم میں کئی کیمپ لگائے گئے۔ تیسرا، چوتھا، پانچواں، ایک برس پہلے لوگ کیمپ میں کافی سامان چھوڑ گئے تھے۔ اس میں غذائی سامان تھا۔ تین زنگ کو یہ پتہ تھا۔ انھوں نے برف کھود کر یہ سامان نکال لیا۔

ادھر ہلیری اور تین زنگ کوم میں مشغول تھے۔ ادھر دوسرے لوگ ساؤتھ کول تک راہ بنانے میں لگے ہوئے تھے۔ اس کام میں تین ہفتوں کا وقت لگا۔ اونچائی پر کچھ لوگوں کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ اس وقت بھی دو لوگوں کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ دونوں کو نیچے لانا پڑا۔ یہ دو نوجوان کوہ پیما تھے۔ پہاڑوں پر نوجوانوں کو تجربہ کار اور پرانے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

ایوریسٹ پر سب ہی کو تکلیف ہوتی ہے۔ تھکان، سردی کی وجہ سے جمنے کا خطرہ اور ہوا میں آکسیجن کی کمی کا ہونا، سردرد بھی ہوتا ہے۔ گلے میں خراش بھی ہوتی ہے اور اونچائی پر نیند بھی نہیں آتی۔ انگریز کوہ پیما نیند کی گولیاں کھاکر سوتے تھے۔ مگر

تین زنگ نے کبھی ان کا استعمال نہیں کیا۔ وہ جتنی اونچائی پر جاتے انھیں اتنا ہی اچھا لگتا۔ ان کی کامیابی کا ایک راز تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو مصروف رکھتے تھے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ ترو تازہ اور صحت مند رہتے تھے۔ وہ سامان کی دیکھ بھال کرتے، خیمہ میں سامان کو قرینے سے رکھتے۔ برف گرم کر کے پانی تیار کرتے اور جب کوئی کام نہ ہوتا تو برف یا چٹان پر ہاتھ پاؤں مارتے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ وہ کسی طرح مصروف رہیں تاکہ خون کا دوران برقرار رہے۔ کمزوری نہ آنے پائے۔

بہت اونچائی پر بھوک بھی نہیں لگتی۔ مجبوراً کھانا پڑتا ہے۔ ہوا کی کمی کی وجہ سے پیاس بھی زیادہ لگتی ہے۔ تین زنگ کہتے تھے کہ ایسے وقت میں برف کھانا یا ٹھنڈا پانی پینا نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لیے گلا اور سوکھ جاتا ہے اور خراش ہو جاتی ہے۔ مگر 1953ء کی مہم میں ایک اچھی بات تھی کہ لیمو کا سوکھا چورا بہت تھا۔ وہ اسی کو پیتے تھے۔

ادھر لوتسے چوٹی پر کام جاری تھا۔ ساؤتھ کول کے راستہ پر کیمپ 6 اور 7 لگا دیے گئے تھے۔ کبھی کبھی آندھی جھکڑ چلتے اور کام بند کر دینا پڑتا۔ کبھی غلط کام ہو جاتے۔ پھر بھی کام جاری رہا۔ 20/ مئی کو اگلا دستہ ساؤتھ کول پر پہونچ گیا۔ اس راستہ میں پل فریڈ نویس اور سولہ شیرپا تھے۔ اگلے دن انھیں اوراوپر جانا تھا۔ کوم میں موجود لوگ دوربین کی مدد سے انھیں دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ صرف دو آدمی جارہے تھے۔ وہ سب فکر میں مبتلا ہو گئے۔ کہیں کوئی گڑبڑ تھی۔

کرنل ہنٹ نہیں چاہتے تھے کہ چوٹی پر جانے والے لوگ گڑبڑ کا پتہ لگانے جائیں۔ وجہ؟ وہ تھک جاتے۔ مگر کسی نہ کسی کو تو جانا ہی تھا۔ آخر میں بلیری اور تین زنگ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ تین زنگ نے کہا "اگر شیرپاؤں کو کوئی تکلیف ہو تو مجھے ہی جانا چاہئے۔ میں ان سے بات کروں گا اور انہیں آگے بھیج دوں گا"۔

فوراً ہی وہ دونوں چل پڑے۔ رفتہ رفتہ وہ لوتسے پر واقع کیمپ 7 میں پہونچ گئے۔ تب تک دوپہر ہو چکی تھی۔ وہاں پہونچنے پر پتہ لگا کہ شیرپاؤں میں تھوڑی بہت تکلیف تو ہے مگر وہ بیمار نہیں ہیں۔ اصل میں وہ پہاڑوں پر اوپر جانے سے ڈرتے تھے۔ تین زنگ نے انھیں سمجھایا تو وہ اگلے دن جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ دوسرے

دن سفر شروع ہوا۔ یہ طے ہوا کہ زنگ اور بلیری کیمپ نمبر 7 سے آگے نہیں جائیں گے۔ مگر وہ چاہتے تھے کہ جب یہاں تک آ ہی گئے تو کام بھی پورا ہو جائے۔ وہ شیر پاؤں کو لے کر کول تک گئے اور پھر اسی دن کیمپ 6 پر لوٹ آئے۔ تیں گھنٹوں میں انھوں نے پانچ ہزار فٹ کی چڑھائی اترائی کی۔ وہ تھک چکے تھے۔ مگر بالکل ہی ٹوٹے نہیں تھے۔ تھوڑے آرام کے بعد وہ پھر ٹھیک ہو گئے۔

چوٹی پر چڑھنے کا آخری معرکہ

اب چوٹی پر چڑھنے کا آخری معرکہ باقی تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ کرنل ہنٹ اور شیر پاؤں کے ہمراہ بورڈلن اور ایوائنس پہلے کول پر جائیں گے۔ ایک دن بعد تین زنگ اور بلیری۔ اگر بورڈلن اور ایوائنس ناکامیاب رہتے تو یہ لوگ جاتے۔

23 / مئی کو بورڈلن اور ایوائنس کی پارٹی روانہ ہوئی اور 25 / مئی کو تین زنگ اور بلیری کی پارٹی۔

تین زنگ نے اپنی کلہاڑی پر چار جھنڈے لپیٹ رکھے تھے۔ ان میں سے دو تو برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے تھے۔ ایک نیپال کا اور ایک ہندوستان کا۔ نیپالی جھنڈا کاٹھ مانڈو میں دیا گیا تھا اور ہندوستانی جھنڈا دارجلنگ میں تین زنگ کے ایک دیرینہ دوست نے دیا تھا۔ بورڈلن اور ایوائنس کے پاس بھی جھنڈے تھے۔

کیمپ نمبر 7 میں انھوں نے پھر رات گزاری۔ صبح آسمان صاف تھا۔ وہ پھر روانہ ہوئے۔ انھوں نے جنوبی کیمپ کے پیچھے دو نقطے دیکھے وہ بورڈلن اور ایوائنس تھے۔ اس کے بعد وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ادھر تین زنگ اور بلیری پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ جب وہ کیمپ 8 پر پہونچے تو انھیں صرف شیرپا آنگ تمن زنگ ملا۔ وہ اسے بھالو کہتے تھے۔ اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس نے بتایا کہ بورڈلن اور ایوائنس جہاں تک جا پائیں گے۔ کرنل ہنٹ اور شیرپا دانام گیالا اور سب سے اونچے کیمپ تک رسد اور سامان پہونچائیں گے تاکہ ضرورت پڑنے پر تین زنگ اور بلیری اس کا استعمال کر سکیں۔

تین زنگ اور ہلیری کول پہونچے۔ انھوں نے دیکھا کہ کرنل ہنٹ اور دانام گیالا جنوب مشرقی پہاڑی سے نیچے آرہے ہیں۔ وہ بے حد تھکے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے کرنل صاحب گر پڑے۔ تین زنگ نے انھیں لیموپانی پلایا۔ پھر ایک ٹینٹ میں لے گئے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ 27,350فٹ تک پہونچ گئے تھے۔ ایک سال پہلے تین زنگ اور لیمب برٹ جہاں تک پہونچے تھے اس سے وہ دو سو فٹ زیادہ تھا۔ وہ 28ہزار فٹ تک جانا چاہتے تھے مگر جاپائے۔ اس لیے انھوں نے کیمپ 9 پر سامان چھوڑ دیا تھا۔ ان میں ان کے آکسیجن ٹینک بھی تھے۔ وہ اس کی مدد کے بغیر ہی نیچے آئے تھے اسی لئے تھک بھی گئے تھے۔ اب وہ سب بورڈلن اور ایوائنس کا انتظار کرنے لگے۔ کرنل ہنٹ نے کہا"اگر دونوں چوٹی پر چڑھ جائیں تو اچھا ہوگا کیونکہ رانی کی تخت نشینی ہونی ہے۔ ایک لمحہ کے لیے تین زنگ نے سوچا"تو اس لیے پہلے دونوں انگریز گئے"۔ مگر دوسرے ہی لمحہ انھوں نے سوچا"یہ بے وقوفوں والے خیالات ہیں۔ یہاں کوئی اوّل، دوم نہیں ہوتا۔ یہاں صرف ایوریسٹ ہے اور کسی نہ کسی کو اس پر چڑھنا چاہئے۔ ہلیری اور میرے لیے سامان پہونچانے کے لیے ہنٹ نے تو گویا اپنی جان ہی دے دی تھی"۔ بعد میں ہنٹ وغیرہ نیچے چلے گئے۔

کول میں بھیانک ٹھنڈ تھی۔ ہوا بھی تیز تھی۔ تین زنگ کے لفظوں میں "ہمارے ساتھ کول پر اب صرف تین شیرپا تھے، انگ یما، انگ تینمبا اور پیمبا۔

وہ سب انتظار کرتے رہے۔ دوپہر کو ڈھلان پر انھیں دو شبیہیں نظر آئیں۔ تین زنگ نے سوچا شاید وہ چوٹی پر نہیں چڑھ پائے۔ مگر یقین سے کچھ کہنا مشکل تھا۔ تین زنگ اور داناگیال ان سے ملنے آگے بڑھے وہ بہت تھک گئے تھے۔ اس سے آگے وہ نہیں چل سکتے تھے۔ انھوں نے بتایا وہ چوٹی پر نہیں چڑھ پائے تھے۔ اس سے آگے وہ نہیں جاسکتے تھے۔ طاقت نہیں تھی۔ وہ جاتے تو شاید پھر لوٹ نہ پاتے رات ہو جاتی اور اس کے ساتھ ہی موت بھی، وہ اس بات کو جانتے تھے، اسی لیے لوٹ آئے۔ ایوائنس نے کہا"تین زنگ مجھے یقین ہے کہ تم اور ہلیری چوٹی تک ضرور پہونچو گے۔ مگر چڑھائی مشکل ہے۔ سب سے اوپر کیمپ سے اوپر جاتے میں چار پانچ گھنٹے لگیں گے۔

چڑھائی خطرناک بھی ہے۔ ہوشیار رہنا۔ اگر موسم ٹھیک رہا تو تم ضرور چڑھ پاؤ گے۔ پھر اگلے برس تمھیں چڑھنا نہیں پڑے گا"۔

تین زنگ اور ہلیری نے ان سے کئی سوالات پوچھے۔ ایوانس اور بورڈلن نے ان کے جوابات دیے۔ انھوں نے انھیں مناسب مشورہ بھی دیا۔ پہاڑوں پر اسی طرح سے ایک دوسرے کی مدد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی امداد باہمی سے انسان عظیم بنتا ہے اگر وہ لوگ نہ ہوتے تو کیا تین زنگ اور ہلیری کامیاب ہو پاتے۔ وہ رات انھوں نے کول میں بتائی۔ وہ کل دس آدمی تھے۔

خراب موسم: کامیابی کی دعا

صبح ہوئی تو موسم خراب تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ جیسے ہزاروں چیتے غرا رہے ہوں، وہ سب اس کے رکنے کا انتظار کرنے لگے۔ دوپہر تک ہوا بند ہو گئی۔ بورڈلن اور ایوانس نیچے جانے کی تیاری کرنے لگے۔ "گڈ لک" کہہ کر ایوانس اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیچے چل دیے۔ اب چوٹی پر چھ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ لوبے، گرگوری اور انگ نیایا، پیمبرو، ہلیری اور تین زنگ،

رات ہوئی تو موسم اور بھی خراب تھا۔ صاحبوں نے نیند کی گولی کھائی تین زنگ بتاتے ہیں "میں اندھیرے میں پڑا ہوا کی آواز سنتا رہا۔ سوچتا رہا۔ ہوا بند ہونی چاہیے تاکہ ہم کل اوراوپر جا سکیں" میں سات بار ایوریسٹ آ چکا ہوں، میں ایوریسٹ کو پیار کرتا ہوں، مگر سات کوششیں کافی ہیں۔ یہاں سے ہمیں یقینی طور پر چوٹی پر پہونچنا چاہئے۔ اس بار یقینی۔ اسی وقت ضرور۔ گھنٹہ بیتا، پھر دوسرا، دھیرے دھیرے آنکھ لگنے لگی۔ پھر نیند ٹوٹی۔ پھر جھپکی آئی۔ نیم خوابیدگی کا عالم۔ اندھیرے میں میرا دماغ یہاں سے وہاں بھٹکنے لگا۔ ایوریسٹ پر کتنے لوگوں کی جانیں گئی ہیں۔ کسی میدان جنگ کی طرح مگر ایک نہ ایک دن آدمی کو جیتنا ہی ہے۔۔۔ اور جب وہ جیتے گا تب۔۔۔ اچانک مجھے پروفیسر تکی کی یاد آ گئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے پنڈت نہرو سے ملوائیں گے۔ اگر میں چوٹی پر پہونچنے میں کامیاب ہوا تو شاید ممکن ہو جائے۔

پھر مجھے سولو کھمبو، اپنے گھر، ماں باپ کی یاد آئی۔ مجھے خدا پر ان کا ایمان یاد آیا۔ میرے لیے کی گئی دعائیں یاد آئیں۔ پھر میں خود دعا کرنے لگا۔ ایشور کی پراتھنا، ایوریسٹ کی پرارتھنا۔ پھر میں نے سوچنا چھوڑ دیا۔ میں خواب دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا چراگاہ میں یاک چر رہے ہیں۔ پھر ایک سفید گھوڑا نظر آیا۔ شیرپاؤں کا یقین ہے کہ خواب میں مویشیوں کا نظر آنا مبارک ہوتا ہے۔ میں نے انھیں ہی خواب میں دیکھا تھا۔ یاکوں اور گھوڑوں کے بعد ایک اور سپنا دیکھا تھا۔ آکاش میں اٹھتا ہوا ایک دھندلا سا سپنا"۔

28/ مئی کو ٹھیک ایک برس پہلے سوئس کوہ پیما لیمب برٹ اور تین زنگ نے ایوریسٹ پر چڑھنے کی آخری کوشش کی تھی۔ صبح ہوئی تو ہوا تیز چل رہی تھی۔ مگر آٹھ بجے تک ہوا بند ہو گئی۔ سیما بیمار تھا۔ اس لیے اوپر نہیں جا سکتا تھا۔ اب صرف ایک شیرپا آنگ نیارہ گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ باقی لوگوں کو زیادہ بوجھ لے جانا پڑے گا۔ 9/ بجے لوبے، گرے گری اور انگ تیما کیمپ سے نکلے۔ وہ چالیس پونڈ وزن اور آکسیجن کی ٹنکیاں لے جا رہے تھے۔ ایک گھنٹہ بعد تین زنگ اور ہلیری روانہ ہوئے۔ یہ لوگ پچاس پونڈ وزن لے جا رہے تھے۔ لوبے وغیرہ برف پر سیڑھیاں کاٹنے والے تھے۔ اس سے وہ اور ہلیری بغیر تھکے آگے بڑھ سکتے تھے۔

وہ سب کول کی برفیلی چٹانوں سے آگے بڑھے۔ دھیرے دھیرے وہ جنوب مشرقی پہاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ دوپہر تک ہلیری اور تین زنگ پہلی والی پارٹی سے آن ملے۔ تھوڑی اونچائی پر ایک ٹینٹ کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ ان خیموں کو پچھلے سال تین زنگ اور لیم برٹ نے نصب کیا تھا۔

اب کھڑی چڑھائی تھی۔ اس لیے وہ سب دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہے تھے۔ برف جمی تھی۔ اس لیے دوبارہ سیڑھیاں کاٹنی پڑیں۔ دو بجے تک وہ سب بے حد تھک چکے تھے۔ طے ہوا کہ کیمپ کے لیے مناسب جگہ تلاش کی جائے۔ تین زنگ کو یاد تھا کہ یہیں کہیں انھوں نے اور لیم برٹ نے خیمہ نصب کیا تھا۔ وہ اس جگہ ڈھونڈنے لگے جلد ہی وہ جگہ مل گئی۔ اب لوبے، گرے گری اور انگ تیما کول کے لیے لوٹ پڑے۔ تین زنگ اور ہلیری اکیلے رہ گئے۔ اس وقت وہ 24,700 فٹ کی اونچائی پر

تھے۔ دنیا کی چوتھی سب سے اونچی چوٹی لوتسے جسے وہ روز دیکھا کرتے تھے۔ اب ان کے نیچے تھا۔ جنوب مشرق میں مکالو۔ سینکڑوں میل تک سب کچھ نیچا ہی نیچا نظر آرہا تھا۔ دور مشرق میں کنچن جنگا کی سفید چوٹی نظر آرہی تھی۔

تین زنگ اور ہلیری نے خیمہ نصب کرنے کی تیاری شروع کردی۔ وہ سب سے اونچائی پر نصب ہونے والا خیمہ یا پڑاؤ تھا۔ شام تک خیمہ تیار ہو گیا انھوں نے برف کاٹ کر سونے کے قابل جگہ بنائی۔ پھر انھوں نے برف کی وجہ سے اکڑی ہوئی رسی اور کینوس کو ٹھیک کرکے آکسیجن کے سلنڈر گاڑے۔ کسی نہ کسی طرح وہ خیمہ نصب کرکے اس میں گھس پڑے۔ ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ اندر سردی بھی زیادہ تھی۔ ہلیری نے آکسیجن سیٹوں کی جانچ پڑتال کی تین زنگ نے اسٹوو گرم کرکے کافی اور لیمو پانی تیار کیا۔ اس وقت دونوں کو بے حد پیاس لگ رہی تھی، ان کے پاس پھل تھے بسکٹ تھے، سوپ تھا، مگر پھل برف کی وجہ سے جم گئے تھے اور انھیں اسٹوو پر گرم کرنا پڑا۔ دھیرے دھیرے رات اتر آئی۔ وقت گزرنے لگا۔ آدھی رات کو ہوا بالکل بند ہو گئی۔ 29/ مئی ٹھیک ایک برس پہلے 29/ مئی کو تین زنگ اور لیم برٹ ہار کر نیچے واپس لوٹے تھے:

آخری رکاوٹ

صبح لگ بھگ ساڑھے تین بجے ان کی آنکھ کھلی۔ تین زنگ نے پھر اسٹوو روشن کیا، لیمو پانی کے لئے برف پگھلائی۔ تھوڑا بہت کھایا ہوا بالکل بند تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد انھوں نے خیمہ کا پردہ ہٹایا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ تین زنگ نے 16000 فٹ نیچے چمک رہے تھیانگ بوچے مٹھ کی طرف اشارہ کیا۔ تین زنگ نے دل ہی دل میں دعا کی ''میرے ماتا پتا کے ایشور آج مجھ پر رحم کیجئے'' مگر اسی دوران ایک گڑبڑ ہو گئی۔ ہلیری نے اپنے بوٹ اتار کر رکھ دیئے تھے۔ وہ ٹھنڈ میں اکڑ گئے۔ کسی طرح انھیں ٹھیک کیا گیا۔ اس آخری چڑھائی کے لیے تین زنگ نے مختلف ممالک کی چیزیں پہن رکھی تھیں۔ ان کے جوتے سوس تھے۔ بند جیکٹ اور دوسری چیزیں برٹش تھیں۔ موزے انگ لبھونے بنے تھے۔ سوئیٹر ہمالین کلب کی شریمتی

میڈری سن نے دیا تھا۔اونی ٹوپہ ڈنمارک کا تھااور گلے میں لال اسکارف ریمنڈلیم برٹ کا تھا۔ ساڑھے چھ بجے وہ خیمے سے باہر نکلے۔ ماحول پر سکون اور صاف اور ہوا دار تھا۔ "ہم نے ہاتھوں میں تین دستانے پہنے سلک،اون او رونڈر پروف کے۔ جوتوں میں کیمپٹن کسے اور پیٹھ پر چالیس پونڈ آکسیجن کا آلہ تھا۔ میری کلہاڑی پر چاروں جھنڈے لپٹے ہوئے تھے۔ جیب میں ایک چھوٹی لال نیلی پنسل تھی۔"سب تیار"۔"اچھا تیار"اور ہم چل پڑے۔کیونکہ ہلیری کے جوتے سخت تھے۔ اس لیے انھوں نے تین زنگ کو آگے چلنے کو کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس مقام پر پہونچ گئے جہاں سے پچھلے سال تین زنگ اور لیم برٹ لوٹے تھے۔ ایوائنس اور بورڈلن ان کے لیے دوشیشیاں آکسیجن چھوڑ آئے تھے۔دونوں نے انھیں تلاش کیا۔

نو بجے تک وہ جنوبی چوٹی پر تھے۔ایوائنس اور بورڈلن یہیں تک پہونچے تھے۔ دس منٹ تک تین زنگ اور ہلیری نے آرام کیا۔اب انھیں صرف تین سوفٹ تک جانا تھا۔ مگر راستہ بے حد پتلا اور سپاٹ تھا،وہ خطرناک بھی تھا۔بائیں جانب نیچے کیمپ نمبر4 کے خیمے نظر آرہے تھے،دائیں جانب برف کی چٹانیں تھیں انھیں یہیں سے گزرنا تھا۔
وہ پھر آگے بڑھے۔

جنوب کیمپ سے انھیں نیچے،پھر اوپر اور اوپر جانا تھا۔وہاں برف کے کھسکنے کا خطرہ تھا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ان کے بوجھ سے برف ٹوٹ جاتی اس لئے احتیاط ضروری تھی۔ موسم اچھا تھا۔وہ تھکے ہوئے بھی نہیں تھے۔دھیرے دھیرے وہ آگے بڑھتے گئے۔ اب چوٹی اور ان کے درمیان آخری روکاوٹ تھی۔ یہاں ایک سیدھی چٹان راستہ روکے کھڑی تھی۔

خواب پورا ہوا

راستہ تلاش کرنے ہلیری آگے بڑھے۔اس میں انھیں پیٹھ کی طرف پیروں پر جھکنا پڑتا اور تین زنگ کو نیچے سے انھیں سہارا دینا پڑتا۔ کسی طرح ہلیری اس چٹان پر چڑھ گئے۔ پھر ان کی رسی کے سہارے تین زنگ بھی اس پر چڑھ گئے۔ یہاں انھوں

نے تھوڑی دیر پھر آرام کیا، کچھ دیر بعد وہ پھر آگے بڑھے۔ آگے چلنے پر انھیں ایک ننگی چٹان دکھائی دی۔ یہاں تین زنگ نے دو پتھر اٹھاکر جیب میں رکھ لیے۔ تین فٹ چل کر وہ پھر رکے اور سامنے دیکھا۔ پھر وہ چل پڑے۔ چوٹی کے نیچے پہونچ کر وہ دنوں رک گئے۔ دونوں کے درمیان تیس فٹ رسی تھی۔ تین زنگ نے اسے لپیٹ رکھا تھا اور دونوں کے درمیان چھ فٹ کا فاصلہ تھا۔

اس وقت جو احساس تین زنگ کو ہوا اس کے بارے میں بتاتے ہیں "میں اس وقت "پہلے" اور "دوسرے" کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ میں نے یہ نہیں سوچا کہ وہاں سونے کا سیب ہے اور ہلیری کو دھکا دے کے اسے لپکنے پہونچوں۔ ہم دھیرے دھیرے آگے بڑھے اور اگلے ہی لمحہ چوٹی پر تھے۔ پہلے ہلیری پہونچے اور پھر میں چوٹی پر پہونچتے ہی دونوں نے ہاتھ ملایا۔ تین زنگ نے ہوا میں ہاتھ ہلا کر ہلیری کو آغوش میں لیا۔ وہ دونوں مارے خوشی کے اچھلنے، کودنے لگے۔ اس وقت دن کے گیارہ بج کر تیس منٹ ہوئے تھے۔ آسمان گہرا نیلا تھا۔ سورج تیزی سے چمک رہا تھا۔ تبت کی طرف ہوا ہلکے ہلکے چل رہی تھی۔ ان لوگوں نے آکسیجن بند کر دی۔ چوٹی پر اس کے بغیر بھی رہا جا سکتا تھا۔ ہلیری نے کیمرہ نکالا۔ تین زنگ نے اپنی کلہاڑی اوپر کی۔ اس پر جھنڈے لپٹے ہوئے تھے۔ تین زنگ نے کہا کہ میں اب آپ کے فوٹو لوں مگر ہلیری نے انکار کر دیا۔ ہلیری چاروں طرف کے فوٹو لینے لگے۔

اسی درمیان تین زنگ نے اپنی جیب سے مٹھائیاں نکالیں بیٹی نیما کی دی ہوئی پنسلیں بھی نکالیں اور ہر طرف برف کھود کر یہ چیزیں اس میں گاڑیں۔ ہلیری نے انھیں کپڑے کی ایک بلّی دی۔ مہم کا علامتی نشان تھا۔ تین زنگ نے اسے بھی وہیں گاڑ دیا۔

تین زنگ کہتے ہیں"۔

"میں نے سوچا گھر پر ہم اپنے پیاروں کو مٹھائی دیتے ہیں۔ ایوریسٹ بھی مجھے ہمیشہ پیارا رہا ہے اور آج تو بے حد پاس بھی ہے"۔ میں نے بھینٹ چڑھا کر انھیں برف سے ڈھک دیا۔ پھر پرارتھنا کرنے لگا۔ میں نے ایشور کا شکر ادا کیا۔ مجھے اپنے

خوابوں کے پہاڑ پر سات مرتبہ آنا پڑا۔ اور اس ساتویں مرتبہ ایشور کی مہربانی سے میرا خواب پورا ہوا۔ چومولنگما میں احسان مند ہوں۔۔۔ چوٹی پر ہم پندرہ منٹ رہے۔ اب واپس لوٹنا تھا۔ واپسی کے لیے کلہاڑی کی ضرورت پڑی۔ اس لیے میں نے جھنڈوں کو چوٹی پر پھیلا دیا اور رسی کے دونوں سروں کو برف میں اچھی طرح دبا دیا۔ اب وہ نیچے کی جانب لوٹ چکے۔ مگر نیچے آنے میں بھی بے حد ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ وہ تھکے ہوئے تھے اور پہاڑوں پر اکثر بے حد تھکان کے دوران ذرا سی لاپرواہی برتنے سے حادثہ ہو جاتا ہے۔ ایک گھنٹہ بعد وہ جنوبی چوٹی تک پہونچ گئے۔ پہلے ہلیری، ان کے پیچھے تین زنگ وہ تھکے ہوئے تو تھے مگر بری طرح نہیں۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ پیاس اور پانی کا تھا۔ وجہ یہ کہ فلاسک کا پانی جم چکا تھا۔ جنوبی چوٹی پر وہ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پھر نیچے آئے۔ اترنا چڑھنے سے زیادہ خطرناک تھا۔ دھیرے دھیرے وہ خطرناک راستہ پار کر کے محفوظ جگہ پر پہونچے۔ وہاں انھیں بورڈلن اور ایوائنس کی چھوڑی ہوئی آکسیجن کی دو بوتلیں مل گئیں۔ یہ اچھا ہوا کیونکہ ان کی آکسیجن ختم ہو رہی تھی۔ دو بجے وہ سب سے اونچائی پر واقع کیمپ تک پہونچ گئے۔
وہاں تین زنگ نے پانی گرم کر کے لیمن جوس تیار کیا۔
وہ پھر نیچے اترنے لگے۔

بے کار کے جھگڑے

2/ جون 1953ء

آج سے چونتیس برس پہلے کا وقت۔ تب ہم لوگ کالج میں پڑھتے تھے۔ ان دنوں اخباروں میں کچھ خبریں روز چھپتی تھیں۔ یہ خبریں انگلینڈ کی شہزادی الزبیتھ دوم کی تخت نشینی سے متعلق ہوتی تھیں۔ انھیں خبروں کے دوران ایک سنسنی خیز خبر چھپی سب ہی اخباروں میں بڑی بڑی سرخیوں میں۔

''ایوریسٹ فتح''

''ایڈمنڈ ہلیری اور تین زنگ نورگے چوٹی پر چڑھنے میں کامیاب''۔ یہ ایک

تاریخی خبر تھی۔ ساری دنیا جھوم اٹھی۔اس خبر سے ہم لوگ بھی حیرت زدہ ہو گئے تھے۔ آخر کار ایوریسٹ پر انسان پہونچ ہی گیا۔ ایوریسٹ فتح کرنے سے ہمیں ایک سبق ملا تھا۔ انسان چاہے، تو کیا نہیں کر سکتا۔ایمانداری سے کی جانے والی کوششوں سے کامیابی نصیب ہو ہی جاتی ہے چاہے شروع میں ناکامی ہی کا منھ کیوں نہ دیکھنا پڑے۔ مگر ایوریسٹ فتح کی یہ خبر بے کار کے بحث مباحثوں اور جھگڑوں کا سبب بھی بنی تھی۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ خبر سچ نہیں ہے۔الزبیتھ دوم کی تاج پوشی کے لیے جان بوجھ کر گھڑی گئی ہے۔ایسا کہنے کی ایک وجہ بھی تھی۔ایک دن پہلے ہی یہ خبر چھپی تھی کہ ایوریسٹ فتح کرنے کی مہم ناکام ہو گئی ہے۔

تین زنگ نے اپنی زندگی کی کہانی (سوانح حیات) میں لکھا ہے۔"ہماری کامیابی کی خبر جان بوجھ کر دیر سے شائع کی گئی۔ اسے دوجون کو تاج پوشی کے دن، برطانیہ سے نشر کیا جانا تھا"۔

ایوریسٹ فتح کی خبر ایک خفیہ اطلاع کے ذریعہ بھیجی گئی تھی۔ کوہ پیائی کی مہم کے لیڈر کرنل ہنٹ نے ایک پیغام کوناچے بازار بھیجا تھا۔ وہاں سے وہ پیغام وائرلیس کے ذریعہ برٹش سفارتخانہ کو بھیج دیا گیا۔

برطانوی سفیر نے یہ اطلاع خفیہ رکھی۔ یہاں تک کہ شاہ نیپال کو بھی نہیں بتایا گیا۔اس کے بعد ایک اور جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ تین زنگ کی قومیت کو لے کر شروع ہوا تھا۔ نیپال کے اخبار انھیں نیپالی بتا رہے تھے۔ ہندوستانی اخبارات انھیں "ہندوستانی" بتا رہے تھے۔ان سب باتوں سے تین زنگ پریشان بھی ہوئے۔ وہ ایک سیدھے سادے انسان تھے۔انھوں نے سادگی سے کہا"میں نیپال میں پیدا ہوا اور بھارت میں پلا بڑھا ہوں"۔

ہماری رائے میں یہ جھگڑا بے کار تھا۔ تین زنگ کی فتح کسی شخص یا کسی ملک کی فتح نہیں تھی۔ یہ تو انسانی ہمت کی فتح تھی۔ اسی دوران ایک اور جھگڑا چھڑا۔ایوریسٹ پر پہلے کون پہنچا ہلیری یا تین زنگ؟ یہ جھگڑا بھی بلاوجہ کا تھا۔

ایوریسٹ کی فتح ایک پارٹی کی کوششوں کی فتح تھی۔ اس میں سب کا تعاون

(امداد) شامل تھا۔ کسی کا کم کسی کا زیادہ۔ مگر ایک بات ضرور تھی۔ تین زنگ کی فتح سے عام آدمی بہت خوش تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے تین زنگ نہیں بلکہ وہ خود ایورسیٹ پر چڑھا ہے۔

کیوں؟

اس لئے کہ تین زنگ پہلے ایک معمولی شیرپا تھے۔ انھیں کوئی جانتا تک نہ تھا۔ ایڈمنڈ ہلیری، کرنل ہنٹ ٹریننگ یافتہ کوہ پیما تھے۔ تین زنگ تو عام آدمی تھے۔ اس لیے ان کی کامیابی سے عام آدمی تک خوش تھا۔

تین زنگ اب ملک کے لاڈلے "ہیرو" تھے۔ لوگ دل کھول کر ان کا استقبال کر رہے تھے۔ وہ تین زنگ کی امداد بھی کرنا چاہتے تھے۔ اخباروں میں ان کی مدد کے لیے اپیل نکالی گئی۔ ایک اخبار نے ان کے لیے نیا مکان بنانے کی پیش کش کی۔ لوہا، لکڑی، سیمنٹ، اینٹ دینے کا وعدہ کیا۔ ایک اخبار نے ان کے لیے رقم بھی اکٹھا کی۔ تین زنگ پریشان ہوگئے۔ وہ پنڈت نہرو کی باپ کی طرح عزت کرتے تھے۔ انھوں نے ان سے صلاح لی۔ پنڈت جی نے کہا" دیکھو تین زنگ۔ لوگوں نے تمھارے لیے رقم اکٹھی کی ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ انھوں نے اس طرح تمھارے لیے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ بلاشک و شبہ وہ تمھارے ممنون ہیں۔ مگر اس طرح اکٹھا کیا ہوا پیسہ بھیک ہوتی ہے۔ مان لو اس دھن سے تم نے ایک مکان بنوایا۔ مگر جب تم بوڑھے ہو جاؤ گے تو یہ لوگ یہ کہنے میں نہیں ہچکچائیں گے کہ تمھارا مکان جنتا کے چندے سے بنا ہے۔ تم یہ بات پسند نہیں کرو گے۔ تمھارے پاس تو گھر ہے ہی۔ اسے ہی خوبصورت بنالو۔ یہ رقم قبول مت کرو۔ کتنی اچھی صلاح تھی یہ۔

تین زنگ نے اسے مان لیا۔ علامتی طور پر تھوڑا پیسہ لے کر باقی تمام رقم شیرپاؤں کی بہبود کے لیے ایک وقف کو دے دی۔ تین زنگ شیرپاؤں کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود بھی تو شیرپا تھے۔ شیرپاؤں کی زندگی کے دکھوں کو وہ بخوبی جانتے تھے۔

☆☆☆

تحریک کا سرچشمہ

تین زنگ سادہ تھے ،باہمت تھے، چھل فریب سے دور۔ بچپن میں انھوں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ مگر وہ صرف خواب دیکھ کر ہی مطمئن نہیں ہوگئے۔ انھوں نے اسے حقیقت میں بدلنے کی کوشش کی۔ سولو کھمبو کیا ہم جگہ کا نام بھی جان پائے؟ تین زنگ نے اپنی کامیابی سے اپنے وطن کی شان بڑھائی۔ مگر شاید اس وقت کوئی یقین بھی نہ کرتا کہ سولو کھمبو کا یہ نوجوان ایک دن ایک نئی تاریخ بنائے گا۔ سب کے لیے تحریک کا سرچشمہ ثابت ہوگا۔

تین زنگ کی سوانح عمری پڑھتے ہوئے میں حیرت زدہ ہو تا رہا۔ انھوں نے کتنی مصیبتیں جھیلیں۔ کتنی رکاوٹوں کا سامنا کیا۔ مگر وہ ناامید نہیں ہوئے۔ وہ ایوریسٹ پر چڑھنا چاہتے تھے۔ یہ ان کی بچپن کی خواہش تھی۔ یہ سینتیسوے برس میں جاکر پوری ہوئی، کوئی اور ہوتا تو دنیاداری میں الجھ جاتا۔ کوہ پیمائی کے خطروں سے خوف زدہ ہو جاتا۔ اپنا خواب ذہن سے نکال دیتا۔

ایک کہاوت ہے ـــــ

"جہاں چاہ،وہاں راہ" (Where there is a will there is a way) تین زنگ کی زندگی مجھے بار بار یہ کہاوت یاد لاتی رہی۔ تین زنگ ہمارے بیچ نہیں ہیں۔ مگر وہ امر ہیں۔ ایوریسٹ کے ساتھ ان کا نام جڑا رہے گا۔ اس ایوریسٹ کے ساتھ جسے وہ چومولنگما کے نام سے جانتے تھے۔ جس کی وہ عزت کرتے تھے۔ جس کی وہ دل ہی دل میں پوجا کرتے تھے۔

ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ تین زنگ کے بھتیجے گومبو نے 6 195ء میں ایوریسٹ کی چوٹی تک کے لیے چڑھائی کی تھی۔ گومبو پہلی مرتبہ 1963ء میں اس کی چوٹی پر ہو آئے تھے۔ 1965ء میں وہ ہندوستانی مہم جوؤں کے ہمراہ تھے۔ جب گومبو مہم پر روانہ ہوئے تو تین زنگ نے انھیں بدھ کی ایک مورتی (مجسمہ) دی تھی۔ کہا تھا

کہ چوٹی پر اسے برف کے بیچ میں رکھ دینا۔

گومبو نے ایسا کیا بھی۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تین زنگ مذہبی آدمی تھے، مگر وہ کٹر بنیاد پرست نہیں تھے۔ وہ سب ہی مذہبوں کا احترام کرتے تھے۔ تین زنگ کو ان کی شہرت مغرور نہ بناپائی۔ نہ انھوں نے اپنے وطن کو بھلایا۔ وہ سولو کھمبو کو بے حد چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی۔ سولو کھمبو میں لُکا کے پاس ایک کوہ پیمائی کا اسکول کھولا جائے۔ آج وہاں ایک ہوائی پٹی ہے۔ ایوریسٹ کے بیس کیمپ سے یہ چار دنوں کا راستہ ہے۔ تین زنگ کا خیال تھا کہ ایسا اسکول بہت فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اب ایوریسٹ ناقابل فتح نہیں رہا۔ کئی ملکوں کے لوگ اس کی چوٹی پر پہونچ چکے ہیں۔ مگر ایوریسٹ کی جاذبیت ابھی بھی باقی ہے۔ تین زنگ چاہتے تھے کہ سولو۔ کھمبو میں ایک اسکول کھلے تاکہ وہ اپنی بھومی (وطن) میں رہ سکیں۔ اپنے ہم وطنوں کے لیے کچھ کر سکیں۔ اپنے دیس میں تین بار (قرضے، احسان) بہت اہم مانے گئے ہیں۔ یہ ہیں:

دیوبار، رشی بار اور سماج بار۔

تین زنگ سماج کا بار اتارنا چاہتے تھے۔ ہم سب پر سماج کا بہت بڑا بار بہت احسان ہوتا ہے۔ سماج ہمیں زندگی میں بہت کچھ دیتا ہے۔ اسی لیے ہمیں بھی سماج کو کچھ دینا چاہئے۔ اس کی خدمت کریں۔ اچھے شہری بن کر انسانیت کا نام اونچا کرکے یہ بار ہم اتار سکتے ہیں۔

تین زنگ نے یہی کیا۔

ان کی سوانح عمری بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔

☆☆☆

واپسی: ماں کی نصیحت

نیچے کے کیمپوں میں لوگ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سب ان کی کامیابی سے خوش تھے۔

چوتھے کیمپ کے خیموں میں تین زنگ نے اپنے ساتھیوں سمیت رات گزاری۔ وہاں ان کے ایک ساتھی نے چٹھی لکھی۔ یہ چٹھی تین زنگ کی طرف سے تھی۔ ان کی بیوی کے نام۔ تین زنگ نے اس چٹھی پر دستخط کیے۔ لکھا ــــــ یہ خط تین زنگ کی طرف سے ہے۔ 28/ مئی کو میں اور ایک صاحب ایوریسٹ چوٹی پر پہونچ گئے۔ امید ہے کہ تم خوش وخرم ہو گی۔ زیادہ نہیں لکھ سکتا"۔

اگلے دن وہ سب بیس کیمپ پہونچ گئے۔ وہاں بھی خوشی کا ماحول تھا۔ تین زنگ خوش بھی تھے اور بے چین بھی۔ وہ اپنے گاؤں تھامے جانا چاہتے تھے۔ وہاں ان کی ماں تھی۔ خاندان کے دیگر لوگ تھے۔ تھامے وہاں سے 35 میل دور تھا۔ تین زنگ تھکے ہوئے تھے۔ مگر دل میں ماں سے ملنے کی شدید خواہش موجود تھی۔ وہ چل پڑے۔

تھامے میں وہ ماں سے ملے، بہن سے ملے۔ خاندان کے لوگوں سے ملاقات کی تین زنگ نے ماں کو اپنی کامیابی کے بارے میں بتایا۔ وہ بہت خوش ہوئیں۔ پھر ماں نے بیٹے کو ایک نصیحت کی ــــــ "میں نے کئی بار تم سے کہا اس پہاڑ پر مت جانا۔ مگر تم نہیں مانے۔ اچھا اب دوبارہ مت جانا"۔

تین زنگ کی ماں بچپن سے ایک بات سنتی آئی تھیں۔ ان کا یقین تھا ــــــ ایوریسٹ پر سونے کی مینار بنتی ہے۔ ہیروں سے جڑا ہوا، سونے کی ایال والا ایک شیر وہاں ہے۔

انھوں نے بیٹے سے اس بارے میں پوچھا۔ جواب ملا۔

"وہاں سونے کی مینا ہے نہ سونے کی ایال والا شیر"

ماں نے پھر پوچھا "کیا وہاں سے رونگ بک مٹھ دکھائی دیتا تھا"

"ہاں، وہ دکھائی دیتا ہے"۔

تین زنگ دو دن اپنی ماں کے پاس رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی ماں بھی ان کے ساتھ دار جلنگ چلیں۔ ان کی والدہ تھامے میں ہی رہنا چاہتی تھیں۔ وہ بولیں "میں چلنا تو چاہتی تھی پر اب بہت بوڑھی ہوگئی ہوں۔ تمھیں تکلیف ہی دوں گی"۔

تین زنگ نے گاؤں سے قلی اکٹھے کیے۔ پھر ان کے ساتھ دھاگ بوچے کی طرف چل دیے۔ وہاں کوہ پیمائی کرنے والی ایک پارٹی کو قلیوں کی ضرورت تھی۔ راستہ میں تین زنگ اپنی بہن سے بھی ملے۔

اب ان کی واپسی کا سفر شروع ہوا۔ پہلے ناپچے بازار پھر کاٹھ مانڈو۔ کاٹھ مانڈو میں داخل ہونے سے قبل تین میل پہلے ہی ان کی بیوی اور بیٹیاں ان کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ تین زنگ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ کاٹھ مانڈو میں تین زنگ اور ان کے ساتھیوں کا شاندار استقبال ہوا۔ تین زنگ نیپال میں پیدا ہوئے تھے۔ نیپال کی جنتا بہت خوش تھی۔ اسے تین زنگ پر فخر تھا۔ شاہ نیپال ـــــ تری بھوان ـــــ نے تین زنگ کو محل میں مدعو کیا۔ انھیں "ستارۂ نیپال" دیا گیا۔ یہ نیپال کا سب سے بڑا اعزاز تھا۔

استقبال ـــــ خیر مقدم ـــــ "تین زنگ زندہ باد"

تین زنگ کاٹھ مانڈو سے کلکتہ روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے گھر والے بھی تھے۔ شاہ نیپال نے اپنا نجی جہاز اس سفر کے لیے دیا تھا۔

ڈم ڈم: کلکتہ کا ہوائی اڈہ۔ زبردست بھیڑ۔ سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ۔

"تین زنگ زندہ باد"

کلکتہ میں تین زنگ سرکاری مہمان رہے۔ ان کے بعد وہ دلّی روانہ ہوئے۔ دلّی میں بھی ان کا شاندار استقبال ہوا۔

تب پنڈت جواہر لعل نہرو وزیر اعظم تھے۔ انھوں نے کوہ پیماؤں کے اعزاز میں استقبالیہ دیا۔

تین زنگ کے لیے یہ ایک بہت اہم موقع تھا۔ کبھی نہ بھلایا جاسکنے والا لمحہ۔ تین زنگ نے لکھا ہے ـــــــ

"پنڈت جی میرے پتا سمان تھے۔ رحم دل، فراخ ،انسانیت کے پیکر"۔ اوروں کی طرح وہ میرا استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ وہ سوچتے کہ میں خوش رہوں"۔ استقبالیہ دیے جانے کے بعد جواہر لعل نے تین زنگ کو اپنے دفتر میں بلایا۔ انھوں نے انھیں لندن جانے کا مشورہ دیا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی بیوی اور بیٹیوں کو بھی لندن بھجوانے کا انتظام کر دیا۔ وہ تین زنگ کو اپنی رہائش گاہ پر بھی لے گئے۔ وہاں انھوں نے اپنے لباس کی الماری کھول دی۔ تین زنگ کو شیروانی دی، پاجامہ دیا، قمیض دیں۔ انھوں نے اپنے آنجہانی والد موتی لعل نہرو کی کچھ چیزیں بھی انھیں دیں۔ انھوں نے ان کی بیوی انگ لہمو کو ایک خوبصورت نوٹ بک دی۔ ایک برساتی بھی دی۔ کہا "لندن میں برسات ہوتی ہے"۔

پنڈت جی نے تین زنگ کو بہت سی چیزیں دیں مگر گاندھی ٹوپی نہیں دی۔ کیوں؟ وہ جانتے تھے کہ اس ملاقات کے کئی معنیٰ لیے جائیں گے۔ انھوں نے تین زنگ کو سیاست سے بھی دور رہنے کا مشورہ دیا۔

روم، زیورچ اور پھر لندن

لندن میں بھی تین زنگ کا استقبال کیا گیا۔ وہاں وہ کئی دن رہے۔ پھر سوئزرلینڈ گئے۔ وہاں انھوں نے مشہور آلپس پہاڑ پر بھی چڑھائی کی۔ ایک دن وہ دوبارہ ہندوستان میں تھے۔ نئی دہلی میں اس وقت کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجیندر پرساد نے انھیں بلایا۔ ان کے تجربات سنے۔ پھر مستقبل کے لیے کچھ مشورہ دیا۔ تین زنگ نہرو جی سے بھی ملے۔

پھر وہ دارجلنگ لوٹ آئے۔ اپنے گھر پر۔ اب نہ وہ شیرپا تھے نہ ٹائیگر۔ وہ تھے "فاتحِ ایوریسٹ"۔

تم ہزاروں تین زنگ بناؤ گے

ایوریسٹ ــــــ فتح

انسان کی ایک خواہش کی تکمیل۔

انسان کی عادت ہے کہ وہ نئے نئے چیلنج قبول کرتا ہے۔ انھیں پورا کرنے کے لیے خطروں سے کھیلتا ہے۔ اس کی کامیابی سے سب کو تحریک ملتی ہے۔ تین زنگ کی کامیابی بھی ملک کے لیے تحریک کا سبب بن گئی۔

ان دنوں مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر ودھان چند رائے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دارجلنگ میں ایک مرکز کھولا جائے۔ وہاں ہندوستانی نوجوانوں کو کوہ پیائی کی ٹریننگ دی جائے۔ انھوں نے تین زنگ کی رائے لی۔ پنڈت نہرو سے بات کی۔ پنڈت نہرو کا خیال تھا کہ شاید طالب علم نہیں ملیں گے۔ مگر ڈاکٹر رائے کو یقین تھا (کہ ایسا نہیں ہوگا) آخر ایک کوہ پیائی کے مرکز کے قیام کا فیصلہ کر ہی لیا گیا۔

4/ نومبر 1954ء

پنڈت نہرو نے ہمالین ماؤنٹینئرنگ انسٹی ٹیوٹ (Himalyan Mountaineering Institute) کا افتتاح کیا۔ میجر دیال اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ تین زنگ کو اس کا ڈائریکٹر بنایا گیا۔

پنڈت نہرو نے ایک بار تین زنگ سے کہا تھا ــــ "ہم لوگ ہمالین ماؤنٹینئرنگ انسٹی ٹیوٹ کھولیں گے۔ تمھارے ذمہ ٹریننگ دینے کا کام ہوگا۔ تم نے دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ پر چڑھائی کی ہے۔ تمہارا نام تین زنگ ہے۔ اب تم ہزاروں تین زنگ بناؤ گے۔ جتنے زیادہ لوگوں کو ٹریننگ دے سکتے ہو دو"۔

تین زنگ کو پنڈت نہرو کی یہ بات ہمیشہ یاد رہی۔ انھوں نے دل لگا کر طلباء کو کوہ پیائی کی تعلیم دی۔ مگر اس سے پہلے انھوں نے خود ٹریننگ لی۔ سوئیزرلینڈ میں روزین لاوئی ــــ نام کی جگہ ہے وہاں کوہ پیائی کی ٹریننگ کا ایک اسکول ہے۔ تین زنگ نے یہیں سے تعلیم حاصل کی۔ پھر انھوں نے ماؤنٹ بلینک پہاڑی سلسلہ میں ایک جھیل کے قریب ایک گاؤں میں گائڈ کا کورس کیا۔ اس گاؤں کا نام چاپیکس ہے۔

ٹریننگ پوری کر کے وہ دارجلنگ واپس لوٹ آئے۔اس کے بعد وہ ڈائریکٹر بنے۔اس مرکز پر آج بھی طلباء کوہ پیمائی کی ٹریننگ لیتے ہیں۔اس مرکز سے ٹریننگ یافتہ طلباء نے بھی ایوریسٹ فتح کیا ہے۔

1965ء میں ایک ہندوستانی مہماتی پارٹی ایوریسٹ پر گئی تھی۔اس پارٹی کے نو ممبران نے چوٹی پر چڑھنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ان میں سے آٹھ ممبران نے ہمالین ماؤنٹینیرنگ انسٹی ٹیوٹ سے ہی ٹریننگ حاصل کی تھی۔ان کی ٹریننگ میں تین زنگ کا بھی کافی ہاتھ تھا۔وہ ہر ایک طالب علم کی پریشانی سنتے اور حل کرتے۔

نیک خواہشات کے سفیر

تین زنگ ہمالین ماؤنٹینیرنگ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر تو تھے ہی وہ ملک کی نیک خواہشات کے سفیر بھی تھے۔

بھارت سرکار کی دعوت پر انھوں نے کئی ممالک کے سفر کیے۔وہ امریکہ گئے اور روس بھی۔پھر وہ آسٹریلیا، سنگاپور اور یوروپ گئے۔ان اسفار میں وہ اپنے تجربات لوگوں کو بتاتے۔یہ کام انھوں نے اپنے ملک میں بھی کیا۔

ایوریسٹ فتح کر لینے کے بعد انھوں نے ملک کے کئی شہروں کا دورہ کیا۔ لیکچر دیے۔پہاڑوں کا پیار لوگوں کے دلوں میں بے دار کیا۔غیر ممالک میں بھی انھوں نے یہی کیا۔وہاں بھی موقع ملتا تو وہ پہاڑوں پر چڑھائی کرتے۔

اسی دوران انھوں نے تیسری مرتبہ شادی کی۔پہلی بیوی کی موت کے بعد انھوں نے دوسری شادی کی تھی۔ان کے لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں اس لیے ان کی بیوی نے انھیں ایک اور شادی کرنے کو کہا۔ان کی تیسری بیوی کا نام "دکھاپھنتی" ہے۔ان کے بطن سے تین زنگ کے یہاں لڑکے ہوئے۔امریکہ کی سیاحت کے دوران دکھا پھنتی بھی ان کے ہمراہ تھی۔انھوں نے بھی پہاڑوں پر چڑھائی کی۔ تین زنگ جہاں بھی جاتے فاتح ایوریسٹ کی حیثیت سے ان کا بہت استقبال کیا جاتا لوگ عزت واکرام سے پیش آتے۔

ہمالین ماؤنٹینیرنگ انسٹی ٹیوٹ میں انھوں نے کئی برسوں تک کام کیا۔ سرکاری قوانین کے مطابق عمر رسیدہ ہونے پر انھیں ریٹائر ہونا پڑا۔ مگر سرکار ان کے تجربات کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ اس نے انھیں انسٹی ٹیوٹ کا مشیر بنادیا۔ اس عہدہ پر وہ اخیر تک کام کرتے رہے۔

لگاتار سفر، لگاتار کام ادھر بڑھتی عمر، تین زنگ کی صحت رفتہ رفتہ بگڑنے لگی۔

1986ء میں دہ دارجلنگ سے نئی دہلی آئے تھے۔ یہاں آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں ان کا علاج ہوا۔ تب اخباروں میں ہم نے ان کا فوٹو دیکھا۔ ہم نے ان کی جوانی کے فوٹو بھی دیکھے تھے۔ اب وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں میں وہی چمک تھی۔ صحت یاب ہو کر وہ دارجلنگ لوٹ گئے۔

8/ مئی 1986ء کو سارے ملک نے یہ افسوس ناک خبر سنی کہ فاتح ایورسٹ تین زنگ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

ان کی موت کا سب کو افسوس ہوا۔ وہ ایک شخص نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے۔ صدر جمہوریہ ہند، وزیر اعظم اور دیگر لیڈروں نے ان کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔

تین زنگ بودھ دھرم کے ماننے والے تھے۔ اسی کے مطابق ان کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔

14/ مئی 1986ء

صبح ساڑھے آٹھ بجے ان کا جنازہ نکلا۔ اس میں ہزاروں لوگ شامل ہوئے۔ سر ایڈمنڈ ہلیری بھی پہونچے۔ ٹھیک ساڑھے بارہ بجے تین زنگ کی چتا کو آگ لگادی گئی۔ لوگوں کی آنکھیں بھر آئیں۔ ایک عہد تھا کہ ختم ہوا۔

☆☆☆